علمی فکری تعلیمی قومی اور اصلاحی موضوعات پر مشتمل
بصیرت افروز مضامین کا وقیع مجموعہ بنام

رِیَاضُ الأشْفَاقِ فِي الفِکْرِ وَالإشْرَاقِ

المعروف بـــــ

کاروانِ خیال



نازش قرطاس و قلم
مفتی محمد اشفاق عالم الامجدی العلیمی
بچھاری آبادپور کٹیہار بہار

امجدی آرٹس و پبلیکیشنز

علمی، فکری، تعلیمی، قومی اور اصلاحی موضوعات پر مشتمل
بصیرت افروز مضامین کا وقیع مجموعہ بنام

ریاض الأشفاق في الفکر و الإشراق

المعروف بـــــ

کاروانِ خیال

مؤلف

نازشِ قرطاس و قلم
مفتی محمد اشفاق عالم الامجدی العلیمی
بچھاری آبادپور، کٹیہار، بہار

امجدی آرٹس و پبلیکیشنز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمی فکری تعلیمی قومی اور اصلاحی موضوعات پر مشتمل بصیرت افروز مضامین کا وقیع مجموعہ بنام

رِیاضُ الأشفاق فِي الفِکرِ والإشراق

المعروف بـ

کاروانِ خیال

نازشِ قرطاس و قلم

مؤلف: مفتی محمد اشفاق عالم الامجدی العلیمی بچباری آبادپور کٹیہار بہار

زیر اہتمام: عالی جناب محمد طیب علی قادری اطال اللہ عمرہ

معاونین: جناب محمد اکبر علی، محمد اصغر علی، علیم الدین صاحبان

فارمیٹنگ: محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

فون نمبر: 7866936010/8877208695

صفحات: 246

ناشر: امجدی آرٹس و پبلیکیشنز +918597730422

امجدی آرٹس و پبلیکیشنز

فہرست مضامین

شرف انتساب

فقیر سراپا تقصیر اپنی اس ادنیٰ کاوش کو جملہ صحابۂ کرام، خصوصًا سیدنا صدیقِ اکبر، سیدنا عمرِ فاروق، سیدنا عثمانِ غنی، سیدنا مولا علی رضوانُ اللّٰہ تعالیٰ علیہم اجمعین

جملہ تابعین و تبعِ تابعین، خلفاے راشدین، ائمۂ مجتہدین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم، بالخصوص امامُ الائمۃ، **سیدنا امامِ اعظم ابو حنیفہ** رضی اللّٰہ عنہ

تمام اولیائے کاملین و علمائے ربانیین رضی اللّٰہ عنہم

بالخصوص غوثِ صمدانی، قطبِ ربانی، شہبازِ لامکانی، **حضور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی** حسنی حسینی رضی اللّٰہ عنہ

عطائے رسول، شہنشاہِ ہندوستان، **حضرت خواجہ معین الدین چشتی** اجمیری رضی اللّٰہ عنہ

مجددِ اعظم، امامِ اہلِ سنّت، **اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی**، حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی علیہم الرحمۃ والرضوان کے نام منسوب کرتا ہے۔

اور افق اسلام پر چمکنے والے علم و فضل کے اس سورج کے نام جسے دنیاے اسلام اعلم العلما، افقہ الفقہا، رئیس الاتقیا، سید الاصفیا، سند المتکلمین، رئیس المحققین، سراج السالکین، زبدۃ العارفین، وارث علوم امام احمد رضا، فخر ازہر، شہزادۂ مفسر اعظم ہند، جانشین مفتی اعظم ہند، قاضی القضاۃ فی الہند حضرت العلام الحاج الشاہ **مفتی محمد اختر رضا خاں قادری برکاتی رضوی نوری ازہری** المعروف بہ

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ کے نام نامی اسم گرامی سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

اور افق اسلام پر چمکنے والے علم وفضل کے اس ماہتاب کے نام جسے دنیاے اسلام، ممتاز الفقہا، عمدۃ المحققین، سلطان المناظرین، شیخ الاسلام والمسلمین، غیظ المنافقین والمرتدین، ممتاز المحدثین، نائب محبوب رب العالمین، جانشین حضور صدر الشریعہ، بدر الطریقہ، نائب قاضی القضاۃ فی الہند حضرت العلام الحاج الشاہ **مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری** المعروف بہ حضور محدث کبیر دامت برکاتہم العالیہ کے نام نامی اسم گرامی سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

رب تعالیٰ اپنے محبوبین کے صدقے اسے شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

خاکپاے علما و اولیا:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آبادپور، کٹیہار، بہار، الہند

استاذ و مفتی: جامعہ مصباح العلوم کدمتلی (مالدہ، بنگال)

تقریظ جمیل

ادیب عصر، معروف مصنف حضرت علامہ

مولانا طفیل احمد مصباحی صاحب

سابق ایڈیٹر: ماہ نامہ اشرفیہ مبارکپور، (اعظم گڑھ)

فکر و خیال کا کارواں جب کسی مقام پر پراؤ کرتا ہے تو بنجر زمین کو بھی لالہ زار بنا دیتا ہے اور نتیجتاً کسی ایسے شہکار کو وجود بخشتا ہے جس پر نہ امتدادِ زمانہ کا اثر ہوتا ہے اور نہ مہ و سال کی گردش اس کے حسن و جمال کے چاند کو گہناتی ہے۔

زیرِ نظر کتاب "ریاض الأشفاق فی الفکروالاِشراق "معروف بہ "کاروانِ خیال "وہ نگار خانہ ہے، جسے جماعت اہل سنت کے باصلاحیت عالم و مدرس حضرت مولانا مفتی اشفاق عالم امجدی علیمی دام ظلہ العالی نے اپنے خوب صورت خامہ و فکر سے سجایا ہے۔ علمی، فکری، تعلیمی اور اصلاحی موضوعات پر مشتمل یہ کتاب صوری و معنوی لحاظ سے خوب سے خوب تر اور فاضل مصنف کی علمی صلاحیت اور قلمی مہارت پر دال ہے۔ موصوف کی ہر تحریر اصلاحی نوعیت کی حامل ہے۔ سادہ و سنجیدہ اسلوب، عام فہم اندازِ بیان اور موضوع سے متعلق بیش قیمت معلومات نے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا ہے۔

ایک باصلاحیت عالم و مدرس جب کسی موضوع پر خامہ فرسائی کرتا ہے تو لا محالہ اس میں علمی رنگ و آہنگ پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ محرم الحرام کی بدعات و

خرافات، ماہ صفر: حقیقت یا نحوست، شعبان اور شب برأت کے فضائل و معمولات، معاشرتی خرافات میں رسم جہیز: ایک تجزیاتی مطالعہ، تحریک آزادی میں علمائے اہل سنت کا کردار، حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ، صدر الشریعہ اور بہارِ شریعت کا آفاقی فیضان، موجودہ دور اور بچوں کی نعت خوانی: کتنا مفید کتنا مضر؟ ہر محلے میں کامیاب مکتب کا قیام: وقت کی اہم ترین ضرورت، معاملۂ سفارش اور مدارس اہل سنت میں داخلہ، قربانی کی حقیقت، وہ چراغ جو اندھیروں میں روشنی بانٹتے ہیں (یوم اساتذہ) نکاح: نسل انسانی کی بقا کا ضامن، جیسے اہم موضوعات پر فاضل مصنف نے صداقت و دیانت کا ثبوت دیتے ہوئے بڑی بیباکی کے ساتھ قلم چلایا ہے اور اصلاحِ معاشرہ کا گراں قدر فریضہ انجام دیا ہے۔

قلم ایک امانت ہے۔ اللہ رب العزت نے اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ (الاحزاب : آیت ۷۲) فرما کر انسان کو جس عظیم امانت کا مکلف بنایا ہے، قلم اسی امانت کی ادائیگی کا ہمیں احساس دلاتا ہے۔ حضرت علامہ مفتی اشفاق عالم امجدی علیمی دام ظلہ العالی قابل مبارک باد ہیں جنہوں نے قلم کی عظمت و تقدس کو برقرار رکھتے ہوئے اس کا رخ اصلاحِ معاشرہ کی طرف موڑا اور "کاروانِ خیال" کے نام سے ایک اہم اور وقیع کتاب قوم و ملت کے حوالے کیا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی دینی و علمی، تدریسی اور قلمی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے آمین!

از قلم: طفیل احمد مصباحی

ڈائریکٹر: مخدوم اشرف ریسرچ سینٹر، خانقاہ اشرفیہ شیخ اعظم سرکار کلاں

کلمات تقریظ

نوجوان محقق، رفیق درس حضرت علامہ مفتی

محمد شہاب الدین علیمی ازہری

کلیہ اصول الدین جامعۃ الازہر قاہرہ (مصر)

قرطاس وقلم کو ہمیشہ سے انسانی فکر وشعور کے ترجمان کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اسی کے ذریعے انسان کے خیالات محفوظ ہوتے ہیں، یہ ذاتی تجربات وافکار کو منتقل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے، اسی سے علم وادب کے چراغ روشن رہتے ہیں۔ فکری وادبی مضامین بھی اسی قلمی روایت کا ایک اہم حصہ ہیں۔ یہ محض الفاظ وجملوں کا مجموعہ نہیں ہوتے بلکہ ایک صاحب قلم کے مشاہدات، تجربات، احساسات اور افکار کا نچوڑ ہوتے ہیں۔ یہی نگارشات قاری کے ذہن کو جلا بخشتی ہیں، اس کے فکر ونظر کو وسعت دیتی ہیں، اور معاشرے میں اصلاح وآگہی کی راہیں ہموار کرتی ہیں۔

جب کوئی قلم کار اپنے خیالات کو صفحات کی زینت بناتا ہے تو وہ دراصل اپنے عہد کے مسائل، امیدوں اور اقدار کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے، اور یہی کسی بھی ادبی وفکری سرمایہ کی اصل اہمیت ہے۔

زیر نظر کتاب "ریاض الأشفاق فی الفکر والإشراق **المعروف به** کاروان خیال "اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جسے عزیز گرامی حضرت مولانا مفتی محمد اشفاق عالم امجدی علیمی صاحب نے مختلف اوقات میں زندگی کے گوناگوں

موضوعات پر جو مضامین قلم بند کیے، انہیں یکجا کرکے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔

ان مضامین میں حیات انسانی کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو ملتی ہے، کہیں اصلاح معاشرہ کی فکر ہے، کہیں برے رسوم ورواج پر مدلل تنقید، کہیں اخلاقی اقدار کی پاسداری کی دعوت اور کہیں فکر ونظر کو جلا بخشنے والے نکات۔ یہی تنوع اس کتاب کا حسن بھی ہے اور اس کی افادیت کا راز بھی۔

مصنف کا اسلوب نہایت سادہ، رواں اور دل نشیں ہے، جو قاری کو حکیمانہ انداز میں سوچنے، سمجھنے اور غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ان کی تحریروں میں اخلاص کی حرارت، درد دل کی چاشنی اور اصلاح احوال کی تڑپ نمایاں محسوس ہوتی ہے۔ یہی اوصاف کسی بھی تحریر کو محض الفاظ کے انبار سے نکال کر دلوں پر اثر انداز ہونے والی تحریر بنا دیتے ہیں۔

آج کا دور فکری انتشار، اخلاقی انحطاط اور تہذیبی الجھنوں کا دور ہے۔ ایسے ماحول میں وہ قلم قابل قدر ہے جو معاشرے کے زخموں کی نشاندہی بھی کرے اور ان کے علاج کی راہیں بھی دکھائے۔ کاروان خیال کے مضامین اسی نوعیت کے ہیں۔ ان میں مصنف نے زندگی کے مختلف مسائل کو محض موضوعِ بحث نہیں بنایا بلکہ ان کے پس منظر، نتائج اور ممکنہ حل کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب نوجوان نسل کے لیے خصوصی طور پر مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

اس کتاب کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں محض تنقید نہیں بلکہ تعمیر کا جذبہ موجود ہے۔ مصنف جہاں غلط رسوم اور منفی رویوں پر تنقید کرتے ہیں وہیں

مثبت اقدار، اعلیٰ اخلاق اور صالح فکر کی ترویج پر بھی زور دیتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں امید کا چراغ روشن دکھائی دیتا ہے اور یہی کسی مصلح قلم کار کا امتیاز ہوتا ہے۔

مصنف کی قلمی کاوشوں کا سفر طویل عرصے پر محیط ہے۔ مختلف مواقع پر لکھے گئے یہ مضامین دراصل ان کی فکری ریاضت اور علمی ذوق کا حاصل ہیں۔ انہیں کتابی صورت میں مرتب کرنا ایک خوش آئند قدم ہے، کیونکہ منتشر نگارشات جب ایک کتاب میں جمع ہو جاتی ہیں تو ان کی افادیت اور بقا دونوں بڑھ جاتی ہیں۔ یقیناً یہ مجموعہ آنے والے وقت میں مصنف کی علمی و ادبی شناخت کا ایک اہم حوالہ ثابت ہوگا۔

میں مصنفِ محترم کو اس عمدہ کاوش پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلم کو مزید تاثیر، ان کی فکر کو مزید وسعت اور ان کی علمی خدمات کو مزید قبولیت عطا فرمائے۔ کاروانِ خیال اپنے نام کی طرح فکر و شعور کے مسافروں کے لیے رہنمائی کا سامان بنے، قارئین کے اذہان کو جلا بخشے اور اصلاح و آگہی کے سفر میں ایک مفید سنگِ میل ثابت ہو۔

محمد شہاب الدین علیمی

۱۲ / جون، ۲۰۲۶ء بعد نماز جمعہ

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم

أما بعد.

تصنیف و تالیف در حقیقت فکر و دانش، علم و آگہی، شعور و بصیرت اور احساس و ادراک کی وہ پر نور شاہراہ ہے جس پر اہلِ قلم اپنے مشاہدات، تجربات، وارداتِ قلبی اور نتائجِ فکر کو الفاظ کا جامہ پہنا کر آنے والی نسلوں تک منتقل کرتے ہیں۔ یہی وہ عظیم ذریعہ ہے جو انسان کے افکار و خیالات کو دوام بخشتا، اس کے علمی نقوش کو محفوظ رکھتا اور اسے تاریخ کے صفحات پر زندہ جاوید بنا دیتا ہے۔

نہ تقریریں انسان کو زندہ رکھ سکتی ہیں اور نہ ہی دیگر مصروفیات بلکہ تحریر ہی وہ سرمایہ ہے جو صدیوں بعد بھی صاحبِ قلم کی فکر، شخصیت اور خدمات کا تعارف کراتی رہتی ہے۔

زیرِ نظر مجموعۂ مضامین بھی اسی علمی، فکری اور قلمی سفر کی ایک ادنیٰ کاوش ہے۔ راقم کو گزشتہ کئی برسوں سے مختلف علمی، تحقیقی، دعوتی، اصلاحی، فکری اور ادبی موضوعات پر خامہ فرسائی کا شرف حاصل رہا ہے۔

متعدّد مضامین و مقالات ملک کے معتبر اور معروف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے اور اہلِ علم و دانش کی توجہ حاصل کرتے رہے۔ بالخصوص ماہنامہ اشرفیہ (مبارکپور، اعظم گڑھ) ماہنامہ سنی دنیا (جامعۃ الرضا، بریلی شریف) سہ ماہی امجدیہ

(گھوسی، مئو) سہ ماہی شعیب الاولیاء (براؤں شریف) سہ ماہی سنی پیغام نیپال اور دیگر معتبر علمی و ادبی پلیٹ فارمز نے ان تحریروں کو اپنے صفحات کی زینت بنایا۔ علاوہ ازیں متعدّد مضامین اخبارات اور مختلف دینی، علمی اور ادبی ویب سائٹس پر بھی شائع ہوئے۔

بحمد اللہ تعالیٰ یہ تمام تحریریں آج بھی گوگل اور دیگر ڈیجیٹل ذرائع پر دستیاب ہیں اور اہلِ علم و ذوق ان سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

مدتوں سے دل کے گوشے میں یہ خیال موجزن تھا کہ مختلف اوقات میں لکھی گئی ان تحریروں کو یکجا کر کے ایک مستقل مجموعے کی شکل دی جائے، تاکہ یہ علمی و فکری سرمایہ بکھرنے سے محفوظ رہے، قارئین کے لیے حصولِ علم و آگہی کا ذریعہ بنے اور راقم کی فکری و قلمی کاوشیں ایک منظم صورت میں اہلِ ذوق کے سامنے آسکیں۔

یہ احساس رفتہ رفتہ ایک مضبوط داعیے کی شکل اختیار کرتا گیا اور پھر یہ ارادہ عزم میں ڈھل گیا کہ ان مضامین و مقالات کو کتابی قالب میں ڈھال کر منصۂ شہود پر لایا جائے۔

رب تعالیٰ کا بے پایاں کرم اور اساتذہ و والدین کی دعاؤں کے طفیل یہ مجموعۂ مضامین بنام ریاض الأشفاق فی الفکر والإشراق **المعروف به** "کاروانِ خیال "کے نام سے قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

یہ کتاب دراصل مختلف اوقات میں ذہن و دل کی وادیوں میں ابھرنے والے افکار، علمی مشاہدات، دینی احساسات اور قلمی کاوشوں کا ایک ایسا قافلہ ہے جو سفرِ علم و فکر کی مختلف منزلوں کی داستان اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولیٰ اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اسے میرے لیے ذریعۂ نجات، وسیلۂ مغفرت اور ذخیرۂ آخرت بنائے، اور قاری کو علم نافع، فکر صالح اور عمل صالح کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین و علی آلہ وصحبہ افضل الصلاۃ والتسلیم

احقر العباد:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی (بچباری، آبادپور، کٹیہار، بہار)

استاذ و مفتی: جامعہ مصباح العلوم کدمتلی (پوکھریا، مالدہ، بنگال)

شائع کردہ: ۱۰ جون ۲۰۲۶ء مطابق ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ پنج شنبہ

محرم الحرام: بدعات و منکرات

محرم الحرام، جو اسلامی مہینوں میں ایک مقدس اور قابلِ احترام مہینہ شمار ہوتا ہے، اپنی روحانی عظمت اور تاریخی اہمیت میں بے مثال ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں صبر، قربانی، حق پر ڈٹے رہنے اور اہلِ بیتِ اطہار کی لازوال قربانیوں کا روشن سبق موجود ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں محرم الحرام اپنی اصل تقدیس اور روحانی وقار کے ساتھ منایا نہیں جاتا۔

جیسے ہی یہ مبارک مہینہ نمودار ہوتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ بے شمار غلط روایات، غیر شرعی اعمال اور ایسی رسومات جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں، زور پکڑ لیتے ہیں۔ ماتمی جلوس، ڈھول، تاشے، نوحہ و ماتم، سینہ کوبی، لہولہان ہونا، سڑکوں پر ہنگامہ آرائی اور رات بھر شور و شرابہ ایسے مظاہر ہیں جو اصل دین کی تعلیمات سے دور لے جاتے ہیں۔

بعض مقامات پر نوجوان گروہوں کے ذریعہ تعزیے اٹھانے کے بہانے غیر اسلامی رقص و سرود، لاوڈ اسپیکر کا شور اور عوامی مجالس میں بھی خلافِ شریعت حرکات دیکھنے میں آتی ہیں، جو نہ صرف دین کی روح کے منافی ہیں بلکہ معاشرتی تہذیب کے لیے بھی نقصان دہ ہیں۔

یہ نہایت تکلیف دہ حقیقت ہے کہ بعض لوگ اس مقدس مہینے کو اپنے جذبات کی حد تک محدود کر کے، رونا، چیخنا، کپڑے پھاڑنا اور سینہ کوبی کو مذہبی عبادت سمجھ بیٹھتے ہیں، گویا یہ سب اعمال ہی دین کی اصل تعلیمات ہیں۔ یہاں تک کہ

بعض نام نہاد علماء اور پیروں کی بھی رہنمائی عوام کو مزید غیر اسلامی سرگرمیوں میں ملوث کر دیتی ہے، جیسے تعزیے بنانا، میلوں اور کھیل تماشوں کا انعقاد، اور بانس، کاغذ یا پنی کے مجسمے بنا کر ان پر چڑھاوے دینا۔

یہ سب کام اصل دین کی تعلیمات کے منافی ہیں، مگر عوام ان میں لذت اور تفریح پاتے ہوئے انہیں درست سمجھ بیٹھتی ہے، اور بدقسمتی سے ایسے اعمال کو ثواب اور جنت کی ضمانت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اس تمام صورتحال کے باوجود، سچائی اور حق کی روشنی ہر حال میں سر اٹھا کر بولتی ہے۔ جو لوگ حق پر قائم رہتے ہیں، وہ فرقہ وارانہ غلط فہمیوں اور رواجی خرافات کے باوجود دین کی اصل روح کو پہچان لیتے ہیں۔

محرم الحرام ہمیں صبر، استقامت، قربانی اور دین کی حقیقی تعلیمات کو سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مقدس مہینے کو اس کی اصل تقدیس اور روح کے مطابق منایا جائے، غلط روایات اور غیر شرعی اعمال کو ترک کیا جائے، اور نئی نسل کو صحیح راستہ دکھایا جائے۔

اسی طرح ہم نہ صرف اہلِ بیت کی تعلیمات کی پاسداری کریں گے بلکہ اپنے دین اور معاشرت کو بھی حقیقی معنوں میں محفوظ رکھ سکیں گے۔

سیدی سرکار اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت الشاہ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے:

"اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے قطعًا بدعت وناجائزو حرام ہے"۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تعزیہ بنانا جائز ہے گھمانا ناجائز ہے اس کا بھی اعلیٰ حضرت نے واضح رد فرمایااور تعزیہ بنانے سے بھی منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"مگر اب اس نقل میں بھی اہل بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیئے داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد واہل اعتقاد کے لئے ابتلاء بدعت کا اندیشہ ہے۔ لہذا روضہ اقدس حضور سید الشہدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی تصویر بھی نہ بنائے۔

(فتاوی رضویہ: جلد ۲۴، صفحہ ۵۱۴ مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ لاہور)

سیدی اعلی حضرت قدس سرہٗ العزیز نے ان گنت مقامات پر مروجہ تعزیہ داری کو ناجائز، حرام اور گناہ قرار دیا ہے۔ بلکہ اس موضوع پر پورا ایک رسالہ بھی تصنیف فرمایا جس کا نام ہے:

"اعالی الإفاده فی تعزية الهند و بيان الشهادة".

حضور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تعزیئے داری شرعا ناجائز ہے۔

(فتاوی مصطفویہ: صفحہ ۵۳۴ مطبوعہ رضا اکیڈمی)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ تعزیئے داری اور اس کے ساتھ جگہ جگہ جو خلاف شرع حرکات و بدعات رائج ہیں ان کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

"یہ سب لغو و خرافات ہیں ان سے ہرگز سیدنا حضرت امام حسین رضی تعالیٰ

عنہ خوش نہیں "

چند سطر آگے لکھتے ہیں

یہ واقعہ تمھارے لئے نصیحت تھا اور تم نے اس کو کھیل تماشا بنالیا۔

(بہار شریعت: جلد سوم صفحہ ۶۴۷، مطبوعہ، مجلس المدینۃ العلمیۃ، دعوت اسلامی)

فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"ہندوستان میں جس طرح کہ عام طور پر تعزیہ داری رائج ہے وہ بیشک حرام و ناجائز و بدعت سیئہ ہے"۔

(فتاوی فیض الرسول: جلد دوم صفحہ ۵۶۳، مطبوعہ، اردو بازار لاہور)

محرم الحرام اور ناجائز رواجات

مزید سرکارِ اعلیٰ حضرت ناجائز رواجات کو ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ عَلَم، تعزیے، مہندی، ان کی منت، گشت، چڑھاوا، ڈھول، تاشے، مجیرے، مرثیے، ماتم، مصنوعی کربلا کو جانا، عورتوں کا تعزیے دیکھنے کو نکلنا، یہ سب باتیں حرام و گناہ و ناجائز و منع ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ: جلد ۲۴ صفحہ ۴۹۹ مطبوعہ رضا فاونڈیشن، جامعہ نظامیہ لاہور)

محرم الحرام میں ناجائز رواجات و رسومات سے متعلق کیے گئے سوالات پر حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا جواب

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و خلیفہ مرسلین مسائل ذیل میں:

(۱) بعض سنت جماعت عشرہ دس محرم الحرام کو نہ تو دن بھر روٹی پکاتے ہیں اور

نہ جھاڑو دیتے ہیں کہتے ہیں کہ بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔

(۲) ان دس دن میں کپڑے نہیں اُتارتے ہیں۔

(۳) ماہ محرم میں بیاہ شادی نہیں کرتے ہیں۔

(۴) ان ایّام میں سوائے امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنھما کے کسی کی نیاز فاتحہ نہیں دلاتے ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

پہلی تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے، اور چوتھی بات جہالت ہے ہر مہینہ ہر تاریخ میں ہر ولی کی نیاز اور ہر مسلمان کی فاتحہ ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(فتاوٰی رضویہ: جلد ۲۴ صفحہ ۴۸۹ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ لاہور)

محرم الحرام اور مستحب اعمال

مومنوں کو محرم الحرام کے دس دنوں میں کیا کرنا چاہیے اس تعلق سے حضور اعلی حضرت ایک جواب تحریر فرماتے ہیں کہ

مسلمانوں کو ان ایام میں صدقات و خیرات و میراث و حسنات کی کثرت چاہیے خصوصًا روزے خصوصًا روز عاشور کا کہ سال بھر کے روزوں کا ثواب اور ایک سال گزشتہ کے گناہوں کی معافی ہے "کما ثبت فی الحدیث الصحیح" (جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے) اور بہتر یہ ہے کہ نویں دسویں دونوں کا روزہ رکھے۔

"لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم لئن بقيت إلى قابل لاصومن التاسع".

(صحيح مسلم : كتاب الصيام؛ باب ای یوم یصام فی عاشوراء، حدیث۲٦٦٧)

ترجمہ: اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں آئندہ سال میں زندہ رہا تو ضرور میں نو تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا۔

حضرت شہزادہ گلگوں قبا امام حسین شہید کربلا و دیگر شہدائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام پاک پر جس قدر ہو سکے تصدق وایصال ثواب کریں بلکہ ان روزوں وغیرہا تمام حسنات کا ثواب اسی جناب گردوں قباب کی نذر کریں گرمیوں میں ان کے نام پر شربت پلائیں جاڑے میں چائے پلائیں اور نیک نیت پاک مال سے شربت چائے کھانے کو جتنا چاہیں لذیذ و بیش قیمت کریں سب خیر ہے کھچڑا پلاؤ فرنی جو چاہیں اور بے دقت میسر ہو برادری میں بانٹیں محتاجوں کو کھلائیں اپنے گھر والوں کو کھلائیں نیک نیت سے، سب ثواب ہے۔

حکیم الاُمَّت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

"محرم کی نویں اور دسویں کو روزہ رکھے تو بہت ثواب پاوے گا، بال بچّوں کے لیے دسویں محرم کو خوب اچّھے اچّھے کھانے پکائے تو ان شاءاللہ عزوجل سال بھر تک گھر میں برکت رہے گی۔

بہتر ہے کہ حلیم (کھچڑا) پکا کر حضرت شہیدِ کربلا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ کرے بہت مجرّب ہے، اسی تاریخ کو غسل کرے تو تمام سال ان شاءاللہ عزوجل بیماریوں سے اَمن میں رہے گا کیونکہ اس دن آبِ زم زم تمام پانیوں میں پہنچتا ہے۔

(اسلامی زندگی: ص۱۳۱ مطبوعہ، مکتبۃ المدینہ، دعوت اسلامی)

رب تعالیٰ ہمیں غلط رسومات و رواج اور غیر شرعی اعمال سے محفوظ رکھے اور

ہمیں شہیدان کربلا کی اتباع کرنے اور ان کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم

ازقلم:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی غفرلہ

بچباری، آبادپور، کٹیہار (بہار)

المتخصص فی الفقہ الحنفی

ماہ صفر: حقیقت یا نحوست

زمانۂ جاہلیت کی تاریکیوں سے لے کر آج کے ترقی یافتہ دور تک، انسان کی فطرت میں وہم و گمان کی ایک ایسی کمزور ڈور ہمیشہ سے جڑی رہی ہے جو اسے حقیقت کی مضبوط بنیادوں سے ہٹاکر توہمات کے دھندلکوں میں بھٹکاتی رہی۔ ماہِ صفر کے بارے میں پھیلی ہوئی بے اصل باتیں، خود ساختہ خوف اور نسل در نسل منتقل کیے گئے وہمی تصورات اسی انسانی کمزوری کی زندہ مثال ہیں۔

یہ حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے کہ جب عقل کی روشنی مدھم پڑ جائے اور علم کا چراغ بجھنے لگے تو بے بنیاد دھڑکے اور خود ساختہ نحوستیں انسان پر غالب آجاتی ہیں، حتیٰ کہ ایک عام سا مہینہ بھی حادثات، آفتوں اور مصیبتوں کا سرچشمہ سمجھ لیا جاتا ہے۔

نحوست کے وہمی تصورات کے شکار لوگ ماہِ صفر کو مصیبتوں اور آفتوں کا مہینہ سمجھتے ہیں، خاص طور پر اس کی ابتدائی تیرہ تاریخیں جنہیں "تیرہ تیزی" کہا جاتا ہے، بہت منحوس تصور کی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ صفر کے مہینے میں نیا کاروبار شروع کرنا نقصان دہ ہے، سفر کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ حادثات کا خطرہ ہے، شادیاں یا بچیوں کی رخصتی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ گھر برباد ہو سکتا ہے۔

اس کے نتیجے میں وہ بڑے کاروباری معاملات سے گریز کرتے ہیں، گھر سے باہر آمد و رفت کم کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آفات نازل ہو رہی ہیں، لہٰذا اپنے گھر

کے ہر برتن اور سامان کو خوب جھاڑتے ہیں۔

اسی طرح، اگر کسی کے گھر میں اس ماہ میں کوئی فوت ہو جائے تو اسے منحوس قرار دیتے ہیں، اور اگر اسی گھرانے میں لڑکے یا لڑکی کی شادی طے ہوئی ہو تو اسے منسوخ کر دیتے ہیں۔ تیرہ تیزی کے موقع پر سفید چنے یا اکابلی چنے کی نیاز دینے کا بھی رواج پایا جاتا ہے۔

جہاں تک نیاز دینے کا معاملہ ہے تو فاتحہ پڑھنا مستحب اور باعثِ ثواب ہے، اور ہر ماہ کی کسی بھی تاریخ پر جائز ہے؛ لیکن یہ سمجھنا کہ اگر ”تیرہ تیزی“ کی فاتحہ نہ پڑھی جائے یا سفید چنے تقسیم نہ کیے جائیں تو گھر کے کمانے والوں کا روزگار متاثر ہو گا بالکل بے بنیاد اور وہم و خرافات پر مبنی خیال ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا عدوى ولا طيرة، ولا هامة ولا صفر".

”چھوت لگنا، بدشگونی لینا، الو کا منحوس ہونا اور صفر کا منحوس ہونا یہ سب لغو خیالات ہیں۔“

(بخاری شریف: کتاب الطب، باب الجذام، حدیث ۵۷۰۷)

محقق علی الاِطلاق حضرت علّامہ مولانا شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رَحمۃُ اللّٰہِ تعالیٰ عَلَیہِ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"عوام اسے (یعنی صفر کے مہینے کو) بلاؤں، حادثوں اور آفتوں کے نازل ہونے کا وَقت قرار دیتے ہیں، یہ عقیدہ باطِل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔-

(اشعۃ اللمعات: جلد سوم صفحہ ٦٦٤)

حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "ماہ صفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے اور بھی اس قسم کے کام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں، خصوصًا ماہ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ نحس مانی جاتی ہیں اور ان کو تیرہ تیزی کہتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہیں"۔

حدیث میں فرمایا کہ ''صفر کوئی چیز نہیں'' یعنی لوگوں کا اسے منحوس سمجھنا غلط ہے۔ اسی طرح ذیقعدہ کے مہینہ کو بھی بہت لوگ برا جانتے ہیں اور اس کو خالی کا مہینہ کہتے ہیں یہ بھی غلط ہے اور ہر ماہ میں ۳، ۱۳، ۲۳، ۸، ۱۸، ۲۸ کو منحوس جانتے ہیں یہ بھی لغویات ہے۔

(بہار شریعت: جلد سوم صفحہ ۶۵۹ مطبوعہ، مجلس المدینۃ العلمیہ، دعوت اسلامی)

صفر کے متعلق زمانہ جاہلیت کا غلط نظریہ

اہل عرب حرمت کی وجہ سے چار ماہ، رجب المرجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم میں جنگ و جدال اور لوٹ مار سے باز رہتے اور انتظار کرتے کہ یہ پابندیاں ختم ہوں تو وہ نکلیں اور لوٹ مار کریں لہذا صفر شروع ہوتے ہی وہ لوٹ مار، رہزنی اور جنگ و جدال کے ارادے سے جب گھروں سے نکلتے تو ان کے گھر خالی رہ جاتے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: ''صفر المکان (مکان خالی ہو گیا۔

جب عربوں نے دیکھا کہ اس مہینے میں لوگ قتل ہوتے ہیں اور گھر برباد یا خالی ہو جاتے ہیں تو انہوں نے اس سے یہ شگون لیا کہ یہ مہینہ ہمارے لئے منحوس ہے اور

گھروں کی بربادی اور ویرانی کی اصل وجہ پر غور نہیں کیا، نہ اپنے عمل کی خرابی کا احساس کیا اور نہ ہی لڑائی جھگڑے اور جنگ و جدال سے خود کو باز رکھا بلکہ اس مہینے کو ہی منحوس ٹھہرادیا۔

کسی دن کو منحوس سمجھنا یہود کا طریقہ ہے

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز شامی قدس سرہ لکھتے ہیں:

علامہ حامد آفندی علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا: کیا بعض دن منحوس یا مبارک ہوتے ہیں جو سفر اور دیگر کام کی صلاحیت نہیں رکھتے؟

توانہوں نے جواب دیا:

جو شخص یہ سوال کرے کہ کیا بعض دن منحوس ہوتے ہیں اس کے جواب سے اعراض کیا جائے اور اس کے فعل کو جہالت کہا جائے اور اس کی مذمت بیان کی جائے، ایسا سمجھنا یہود کا طریقہ ہے، مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔

کونسا وقت کونسا دن منحوس ہوتا ہے؟

مشہور مفسر شارح حدیث حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اسلام میں کوئی دن یا کوئی ساعت منحوس نہیں ہاں بعض دن بابرکت ہیں۔

تفسیر روح البیان میں ہے:

صفر وغیرہ کسی مہینے یا مخصوص وقت کو منحوس سمجھنا درست نہیں، تمام اوقات

اللہ عزوجل کے بنائے ہوئے ہیں اور ان میں انسانوں کے اعمال واقع ہوتے ہیں۔

جس وقت میں بندہ مومن اللہ عزوجل کی اطاعت و بندگی میں مشغول ہو وہ وقت مبارک ہے اور جس وقت میں اللہ کریم کی نافرمانی کرے وہ وقت اس کے لئے منحوس ہے۔ در حقیقت اصل نحوست تو گناہوں میں ہے۔

(ماخوذ: فیضان صفر المظفر، صفحہ ۲۹ مطبوعہ دعوت اسلامی)

ماہ صفر کا آخری بدھ منانا

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ماہ صفر کا آخر چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں، سیر و تفریح و شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ حضور اقدس صلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلَّم نے اس روز غسل صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینۂ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم کا مرض شدت کے ساتھ تھا، وہ باتیں خلاف واقع ہیں۔

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں سب بے ثبوت ہیں، بلکہ حدیث کا یہ ارشاد "لا صفر" یعنی صفر کوئی چیز نہیں۔ ایسی تمام خرافات کو رد کرتا ہے۔

(بہار شریعت: جلد سوم صفحہ ۶۵۹ مطبوعہ، مجلس المدینۃ العلمیۃ، دعوت اسلامی)

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ایسے نظریات سے بچیں، کیونکہ یہ سراسر شریعت کے

خلاف ہیں۔ اسلام میں نہ کوئی مہینہ، نہ کوئی دن اور نہ کوئی ساعت نہ کوئی تاریخ منحوس ہے۔

ہر مہینہ، ہر دن اور ہر تاریخ رب تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں، اور اس نے ان میں سے کسی کو منحوس قرار نہیں دیا۔

محرر:
محمد اشفاق عالم امجدی علیمی
بجباری، آبادپور، کٹیہار، بہار
فاضل: دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، یوپی

شعبان اور شبِ براءت: فضائل و معمولات

اسلامی (قمری) سال کا آٹھواں مہینہ شعبان المعظم ہے، جو نہایت مقدس، متبرک اور عظمت و شان کا حامل ہے۔ اس کے ایک جانب رجب المرجب جیسا محترم مہینہ ہے تو دوسری جانب رمضان المبارک جیسی عظیم ساعتیں جلوہ گر ہیں۔ گویا یہ مہینہ کریم الطرفین ہے، جسے دونوں جانب سے دو بزرگ اور باعظمت مہینوں نے گھیر رکھا ہے۔

شعبان المعظم وہ مبارک مہینہ ہے جسے خالقِ ارض و سماء کے حبیب، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خصوصی محبت اور عظمت عطا فرمائی۔ یہ رحمتوں، مغفرتوں اور عنایاتِ ربانی کا مہینہ ہے، جس میں گناہوں کی معافی ہوتی ہے، خطاکاروں پر پردۂ کرم ڈالا جاتا ہے اور اہلِ دوزخ کے عیوب چھپا دیے جاتے ہیں۔

اس مقدس مہینے کی عظمت کا اندازہ اس حقیقت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اسی مہینے میں رب تعالیٰ نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر وہ عظیم آیت نازل فرمائی، جس میں درود و سلام کی ابدی تعلیم عطا کی گئی۔

ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ-يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

(سورة الاحزاب: آيت ٥٦)

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

شعبان "شعب" سے بنا ہے جس کے معنی ہے جدا ہونا، شاخ در شاخ ہونا، متفرق ہونا فاصلہ اور دوری کے ہیں چوں کہ اہل عرب ماہ شعبان میں پانی کی تلاش میں اپنے گھروں اور خیموں سے نکل پڑتے اور دور دور نکل جاتے تھے اور اکثر لوگ اپنے قبیلوں سے جدا ہو جاتے تھے اس لیے اس کا نام شعبان پڑ گیا۔

جب رجب المرجب کا مہینہ شروع ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پاک پہلی تاریخ کے چاند پر پڑتی تو اپنا دست مبارک اٹھا کر ارشاد فرماتے:

"اللّهم بارک لنا في رجب و شعبان و بلغنا رمضان".

ترجمہ: اے اللہ! رجب اور شعبان کو بابرکت بنا اور ہم کو رمضان تک پہنچا۔

جب آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان المعظم کا چاند دیکھتے تو فرماتے "اے اللہ یہ میرا مہینہ ہے اس ماہ میں میری امت کی زیادہ مغفرت فرما"

یوں سمجھیے کہ

جیسے کھیتی ہونے اور اس کو پانی دینے اور کاٹنے کے اوقات مقرر ہیں، اسی طرح رجب المرجب نیکیوں کا بیج بونے کا مہینہ ہے اور ماہ شعبان المعظم پانی دینے کا اور رمضان المبارک کھیتی کاٹنے اور فصل جمع کرنے کا مہینہ ہے۔

تو جس شخص نے رجب کے مہینہ میں حسنات (نیکیوں) کے تخم بو دیے اور ماہ شعبان المعظم میں اس کو نیکی اور خیر کے پانی سے سینچا وہ رمضان المبارک میں برابر نیکیوں سے کامیاب ہوتا رہے گا اور جو شخص شعبان المعظم میں کھیتی کرنے سے غافل

رہا یا کھیتی ہوئی مگر اس کو شعبان المعظم میں پانی نہیں دیا تو رمضان المبارک میں اس نے اپنے حصے کو نقصان پہنچایا۔

ایک اہم نکتہ

اس جگہ علمائے کرام نے لفظ شعبان کے حروف میں ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ لفظ شعبان کے اندر پانچ حروف ہیں

ہر حرف سے متعلق توضیح و تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

(ش) سے مراد شرف (بزرگی) ہے۔ یعنی اس مہینہ کو دوسرے مہینوں پر سوائے رمضان المبارک کے مخصوص شرف حاصل ہے۔ یہ اعمال حسنہ کا شاہد (گواہ) ہے اور مؤمن کے لیے شب معراج کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اس ماہ میں روزہ رکھنے والے کو شرف حاصل ہوتا ہے۔

(ع) سے مراد عقبٰی ہے۔ یعنی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شعبان المعظم کی عظمت کرنے والے کی دنیا میں عزت ہوگی اور عقبی و آخرت میں اس کو بڑا مرتبہ ملے گا۔

(ب) سے مراد برکت، بہبودی، بہتری اور بہتات ہے۔ یعنی ب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں برکت و بہبودی حاصل ہوگی اور قبر میں روشنی کی بہتات (زیادتی) ہوگی اور میدانِ قیامت میں بلندی درجات حاصل ہوگی۔

(الف) سے امن و امان اور الفت و انوار مراد ہیں۔ یعنی الف سے اشارہ ہے اس طرف کہ شعبان المعظم کی عزت کرنے والے کو دنیا میں امن و امان ملے گا اور

بروز حشر امان حاصل ہو گا۔ وہ قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ و مامون رہے گا۔

(ن) سے مراد نار (آگ) ہے یعنی شعبان المعظم کی خیر و برکت حاصل کرنے والا، جہنم سے نجات پائے گا اور اس مہینہ میں نماز نفل پڑھنے والے کے دل میں نور نشو نما پاتا ہے اور جو شخص شعبان المعظم کی عظمت کا لحاظ رکھتا ہے اور اس کی تعظیم و توقیر کرتا ہے اس کو دنیا میں نور ایمان اور آخرت میں آگ سے نجات ملتی ہے۔

(ماخوذ: منير الإيمان في فضائل شعبان: ص ۳۳ مطبوعہ رضوی کتاب گھر، دہلی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"رجب شهر الله و شعبان شهري و رمضان شهر امتي".

ترجمہ: رجب اللہ کا مہینہ ہے شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔

اسی ماہ شعبان المعظم میں معجزہ شق القمر (چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ) کا ظہور ہوا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے خطب میں نقل فرمایا ہے کہ

"شعبان انشق فيه القمر لسيد ولد عدنان".

یعنی شعبان المعظم وہ مبارک مہینہ ہے جس میں حضور کے لیے چاند دو ٹکڑے ہوا یعنی اسی ماہ میں معجزہ شق القمر کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

شرح معانی الآثار میں امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ

"أفضل الصيام بعد رمضان، شعبان".

یعنی رمضان شریف کے بعد سب سے افضل روزہ شعبان کا ہے۔

اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا:

"قوموا ليلها وصوموا نهارها".

شعبان کی پندرہویں شب (یعنی شب برأت) قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو۔

(سنن ابن ماجه: باب ماجاء في لیْلة النّصْف منْ شعْبان؛ حديث ١٣٨٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"عن انس قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم اي الصوم أفضل بعد رمضان؟ فقال: شعبان لتعظيم رمضان".

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے افضل روزوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

رمضان کی تعظیم کے لئے شعبان کے روزے۔

(ترمذی شريف: باب ما جاء في فضْل الصّدقة؛ حديث٦٦٣)

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

" كان احب الشهور إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يصومه شعبان ثم يصله برمضان".

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماہِ شعبان میں روزے رکھنا تمام مہینوں سے زیادہ پسندیدہ تھا کہ اِس میں روزے رکھا کرتے پھر اسے رمضان سے ملا دیتے۔

(ابوداؤد شريف: باب في صوم رمضان؛ حديث ٢٤٣١)

شب برأت

شعبان المعظم کی پندرہویں رات یعنی شبِ برأت بڑی بابرکت رات ہے۔ اس رات اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوب رحمتوں، برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔خالق کائنات کی بارگاہ میں اِس رات خاص طور پر اپنی دنیا و آخرت کی بھلائی کی دُعا مانگنی چاہیے کیونکہ اس رات دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔

شب براءت کے نام

حضرت علّامہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ نقل فرماتے ہیں: شب براءت کے چار نام ہیں:

(۱)لیْلۃ الْمبارکۃ(برکت والی رات)

(۲)لیْلۃ الْبراءۃ(نجات والی رات)

(۳)لیلۃ الصّک(دستاویز والی رات)

(۴)لیْلۃ الرّحْمۃ(رحمت والی رات)

مزید فرماتے ہیں: اسے لیلۃ البرأت اور لیلۃ الصک (نجات و دستاویز والی رات)اِس لئے کہتے ہیں کہ جب تاجر مالک سے اُس کا اناج وصول کرلیتا ہے تو اس کے لئے براءت نامہ لکھ دیتا ہے۔اسی طرح اللہ پاک اس رات اپنے مومن بندوں کے لئے براءت نامہ لکھ دیتا ہے۔

(التبيان في بيان مافي ليلة النصف من شعبان:41/3،بحوالہ فیضان شعبان مکتبۃ المدینہ دعوت اسلامی ص۹)

اسی شب برأت سے متعلق سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها، وصوموا يومها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى السماء الدنيا، ويقول: " ألا من مستغفر فأغفرله، ألا من مسترزق فأرزقه، ألا من مبتلى فأعافيه"، ألا كذا ألا كذا حتىٰ يطلع الفجر".

ترجمہ: جب شعبان کی پندرہویں رات ہو تو اس میں قیام کرو اور اس کے دن یعنی پندرہویں شعبان کو روزہ رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس رات میں غروب آفتاب سے آسمانِ دنیا پر تجلی فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہے کوئی بخشش مانگنے والا کہ اس کی مغفرت کروں، ہے کوئی روزی طلب کرنے والا کہ میں اس کو روزی دوں۔ ہے کوئی عافیت چاہنے والا کہ میں اس کو عافیت عطا کروں۔ ہے کوئی اس کا چاہنے والا۔ ہے کوئی اس کا چاہنے والا۔ یہ عطیات اور بخششیں صبح صادق کے طلوع ہونے تک جاری رہتی ہیں۔

(سنن ابن ماجه: باب ماجاء في ليْلة النّصْف منْ شعْبان؛ حديث ١٣٨٨)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"إن الله تعالىٰ ينزل ليلة النصف من شعبان إلى سماء الدنيا، فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم بني كلب".

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو آسمان دنیا کی طرف تجلی خاص فرماتا ہے اور بنی کلب کی بکریوں کے بدن پر جتنے بال ہیں ان سے زیادہ تعداد میں میری امت کی مغفرت فرماتا ہے۔

(سنن ابن ماجه: باب ماجاء في ليْلة النّصْف منْ شعْبان؛ حديث ١٣٨٩)

حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اس مہینے کی پندرھویں رات جسے شب براءت کہتے ہیں بہت مبارک رات ہے۔اس میں قبرستان جانا، وہاں فاتحہ پڑھنا سنّت ہے، اسی طرح بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضر ہونا بھی ثواب ہے اگر ہو سکے تو چودھویں اور پندرھویں تاریخ کو روزے رکھے۔ پندرھویں تاریخ کو حلوہ وغیرہ بُزرگانِ دین کی فاتحہ پڑھ کر صدقہ و خیرات کرے اور پندرھویں رات کو ساری رات جاگ کر نفل پڑھے اور اس رات کو ہر مسلمان ایک دوسرے سے اپنے قصور معاف کرالیں، قرض وغیرہ ادا کریں۔

کیونکہ بغض والے مسلمان کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ مزید فرماتے ہیں: اگر تمام رات نہ جاگ سکے تو جس قدر ہو سکے عبادت کرے اور زیاراتِ قبور کرے۔اگر اس رات کو سات پتے بیری کے پانی میں جوش دے کر غسل کرے تو ان شاءاللہ تمام سال جادو کے اثر سے محفوظ رہے گا۔

(اسلامی زندگی: ص ۱۳۴ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ دعوت اسلامی)

رب تعالیٰ ہمیں اس متبرک مہینے اور شب کے فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

خامہ فرسائی:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچھاری، آبادپور، کٹیہار (بہار)

المتخصص فی الفقہ الحنفی

آمدِ ماہِ رمضان: تزکیہ نفس اور قربِ الٰہی کا پیغام

اسلامی شریعت کی اساس جن پانچ ارکان پر استوار ہے، اُن میں ’’صومِ رمضان‘‘ مقامِ قربِ الٰہی تک رسائی کا نہایت لطیف، دقیق اور اسرار آفریں وسیلہ ہے۔ رمضان المبارک اپنی بے پایاں رحمتوں، لامحدود برکتوں اور انوارِ الٰہیہ کے بے کنار سمندر کو اپنے دامن میں سمیٹے جب اہلِ ایمان پر سایہ فگن ہوتا ہے تو کائنات کے ذرّے ذرّے میں نورانی ہلچل پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ ماہِ مقدس ایمان و احتساب، تقویٰ و طہارت، صبر و رضا، بندگی و اطاعت اور قربِ الٰہی و شعورِ عبودیت کا ایسا درخشاں موسم ہے جس کی برکتوں سے ہر صاحبِ دل لبریز ہو جاتا ہے۔ یہ وہ مقدس مہینہ ہے جب درِ رحمت کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اللہ رب العزت اپنے بندوں کی طرف بے پناہ شفقت و محبت کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں۔

احادیثِ طیّبہ میں ارشاد ہے کہ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا جہنم سے آزادی کا پروانہ ہے۔ اس ماہ کے ایّام و لیالی میں خیر و برکت کی مسلسل بارش ہوتی ہے؛ کوئی سائل خالی نہیں لوٹتا، کوئی امیدوار محروم نہیں ہوتا، کوئی گریہ کناں ناکام نہیں جاتا۔

جو خوش نصیب اس ماہِ مبارک کی آمد کے سال بھر سے آرزو رکھتے ہیں، ان کے لئے یہ مہینہ روحانی بہار لے کر آتا ہے، اور جو شخص اس سمندرِ رحمت میں بھی اپنا دامن تر نہ کرے، توبہ و انابت کی دولت حاصل نہ کرے اور نورانی اوقات کو

غفلت کی نذر کر دے، اس سے بڑھ کر محروم اور کون ہو گا؟

ایک حقیقی مؤمن کے لئے لازم ہے کہ اس ماہ کی عظمت کو سمجھتے ہوئے اپنے اوقات کو قیمتی بنائے۔

روزہ، تراویح، تلاوتِ قرآن، ذکر و اذکار، دعا و استغفار یہ سب اعمال اس مہینے کو روحانی کائنات کا مرکز و محور بنا دیتے ہیں۔ جتنی کثرت سے نورانی اعمال بجالائے جائیں گے، اتنی ہی دل میں لطافت، روح میں رفعت، قلب میں استنارت اور نفس میں پاکیزگی پیدا ہوتی جائے گی۔

اسی کے ساتھ یہ مہینہ گناہوں کے ترک کا بھی سخت مطالبہ کرتا ہے۔ جھوٹ، غیبت، بدگوئی، بہتان تراشی، حرام خوری، بدنظری اور دیگر معاصی سے بچنے میں رمضان سب سے زیادہ مددگار ہے، کیونکہ روزہ نفس کو کمزور اور روح کو طاقت ور کرتا ہے۔

جیساکہ خالق ارض و سماء کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

(سورة البقرة: آیت ۱۸۳)

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔

روزے کا مقصد آیت کے آخر میں بتایا گیا کہ روزے کا مقصد تقویٰ و پرہیزگاری کا حصول ہے۔ روزے میں چونکہ نفس پر سختی کی جاتی ہے اور کھانے پینے

کی حلال چیزوں سے بھی روک دیا جاتا ہے تو اس سے اپنی خواہشات پر قابو پانے کی مشق ہوتی ہے جس سے ضبط نفس اور حرام سے بچنے پر قوت حاصل ہوتی ہے اور یہی ضبط نفس اور خواہشات پر قابو وہ بنیادی چیز ہے جس کے ذریعے آدمی گناہوں سے رکتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

"وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى"

(سورة النازعات: آیت ۴۰/۴۱)

اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا۔ تو بیشک جنت ہی ٹھکانا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"قال عبد الله: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم شبابا لا نجد شيئا، فقال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: " يا معشر الشباب، من استطاع الباءة فليتزوج، فإنه اغض للبصر، واحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء".

رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"اے جوانو! تم میں جو کوئی نکاح کی استطاعت رکھتا ہے وہ نکاح کرے کہ یہ اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے سے نگاہ کو روکنے والا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جس میں نکاح کی استطاعت نہیں وہ روزے رکھے کہ روزہ قاطعِ

شہوت ہے۔"

(بخاری شریف : کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم الحدیث : ٥٠٦٦)

اگر انسان ذرا سی ہمت اور ارادی قوت سے کام لے تو ان چند دنوں میں گناہوں سے چھٹکارا پانا نہایت آسان ہوجاتا ہے۔

رمضان میں جہاں معاصی سے اجتناب ضروری ہے، وہیں لہو و لعب، فضول مشاغل اور بے فائدہ مصروفیات سے کنارہ کشی بھی ناگزیر ہے۔

افسوس کہ بہت سے لوگ اس مقدس مہینے کو کھیل کود، تماشہ بینی، موبائل و انٹرنیٹ کی لغویات، فلم و ڈرامہ اور دیگر لایعنی مشغلوں کی نذر کر دیتے ہیں۔ یہ اپنی روحانی قسمت کے سودا کے مترادف ہے۔ رمضان دنیوی تفریحات کا نہیں بلکہ باطنی تزکیہ، اصلاحِ نفس اور تقویتِ ایمان کا مہینہ ہے۔

اس مہینے کی برکتیں ان ہی دلوں میں اترتی ہیں جو کینہ، حسد، بغض، عداوت اور بدگمانی سے پاک ہوں۔ حدیث میں آیا ہے کہ رمضان کی راتوں میں سب لوگوں کی مغفرت ہوجاتی ہے، سوائے اُن دو افراد کے جن کے درمیان باہمی رنجش ہو۔

لہٰذا اس ماہ کا تقاضا ہے کہ دلوں کو صاف کیا جائے، معافی اور درگزر کو اپنایا جائے اور باہمی محبت و اخوت کو فروغ دیا جائے۔ جس دل میں نفرت کا دھواں بھرا ہو، اس پر رمضان کی تجلیات پوری طرح منعکس نہیں ہوتی۔

رمضان کا ظاہری و باطنی احترام نہایت ضروری ہے۔ جو لوگ اس بابرکت مہینے میں روزہ داروں کے سامنے کھاتے پیتے ہیں، یا بازاروں میں کھانے پینے کی

چیزوں کی کھلی نمائش کرتے ہیں، اسی طرح ہوٹلوں، ریستورانوں، سینما گھروں اور تھیٹروں کا بلا روک ٹوک کھلا رہنا بھی ماہِ رمضان کے تقدس کے سراسر منافی ہے۔

اللہ نے جنہیں وسعت دی ہے، اُن کے لئے لازم ہے کہ وہ فقراء و مساکین، یتیموں اور بیواؤں کی خصوصی خبر گیری کریں۔

افسوس کہ ہمارے معاشروں میں رمضان کے آتے ہی ضروری اشیاء کی قیمتیں بڑھا دی جاتی ہیں، حالاں کہ یہ نرم خوئی، سخاوت اور آسانیاں پیدا کرنے کا مہینہ ہے۔ جو تاجر اس ماہ میں نرمی اور رعایت کا رویہ اختیار کرے گا، وہ صدقۂ جاریہ کمائے گا اور رب کی رحمت کو اپنی تجارت کا ضامن پائے گا۔

رمضان کا ایک ایک لمحہ ہزاروں مہینوں پر بھاری ہے۔ اس میں نیکیوں کے ثواب کے پیمانے بے حد بڑھا دیے جاتے ہیں۔

ہر شام افطار کے وقت فرشتے بندگانِ خدا کے لئے خوش خبریاں لے کر آتے ہیں۔ روزہ دار کے منہ کی بو تک اللہ کے نزدیک مشک و عنبر سے زیادہ محبوب ہے۔

اس ماہ میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے تاکہ انسان نیکی کی طرف آسانی سے مائل ہو سکے۔

اسی مہینے میں شبِ قدر ہے جس کی عبادت ہزار مہینوں سے بہتر ہے — جو اس ایک رات کو پالے، گویا عمر بھر کی عبادت پالیتا ہے

خدائے متعال ہمیں رمضان کے حقیقی فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے، ہماری لغزشیں معاف فرمائے، ہمارے دل پاک و صاف فرمائے اور ہمیں اپنی بے

پایاں رحمت سے حصہ عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

از قلم:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آباد پور، کٹیہار (بہار)

فاضل: دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی (یوپی)

معاشرتی خرافات میں رسم جہیز: ایک تجزیاتی مطالعہ

انسانی معاشرہ اپنے افکار، اعمال اور روایات کے مجموعے سے تشکیل پاتا ہے۔ جب کسی قوم کے رسم و رواج اعتدال، عقل و دانش اور اخلاقی اقدار کے تابع ہوں تو وہ معاشرہ ترقی، خوش حالی اور باہمی ہمدردی کا گہوارہ بن جاتا ہے، لیکن جب رسوم و روایات اپنی اصل حدود سے تجاوز کر کے معاشرتی زندگی پر حاوی ہو جائیں، اور ان کی بنیاد دینی تعلیمات کے بجائے جاہلانہ تقلید، نمود و نمائش، تفاخر اور نفسانی خواہشات پر قائم ہو جائے تو وہی رسوم ایک ناسور کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

پھر ان کے نتیجے میں نہ صرف افراد کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے بلکہ پورا معاشرہ بے شمار اخلاقی، معاشی اور سماجی خرابیوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

عصرِ حاضر کا مسلم معاشرہ بھی اسی قسم کے سنگین بحران سے دوچار ہے۔ شادی بیاہ، ولادت، وفات اور دیگر معاشرتی مواقع سے متعلق بے شمار ایسی رسمیں رواج پا چکی ہیں جن کا نہ شریعتِ مطہرہ سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی عقلِ سلیم انہیں پسند کرتی ہے۔ لیکن محض رسم و رواج کے نام پر ان کی ایسی پابندی کی جاتی ہے گویا یہی دین و شریعت کا لازمی حصہ ہوں۔

نتیجتاً ایک طرف دینی احکام پسِ پشت ڈال دیے جاتے ہیں اور دوسری طرف غریب، نادار اور متوسط طبقہ ان بے جا رسموں کے بوجھ تلے پستا چلا جاتا ہے۔

خصوصاً نکاح اور شادی جیسے مقدس اور بابرکت عمل کو، جسے شریعت نے نہایت آسان، سادہ اور کم خرچ رکھا ہے، مختلف خود ساختہ رسوم، فضول اخراجات

اور بے جا مطالبات کے ذریعے اس قدر دشوار بنا دیا گیا ہے کہ بہت سے والدین اپنی جوان بیٹیوں کے مستقبل کے بارے میں مسلسل فکر و اضطراب کا شکار رہتے ہیں۔

کہیں جہیز کی لعنت اپنی ہولناک شکل میں موجود ہے، کہیں بارات اور دعوتوں کی غیر ضروری نمائش نے غریبوں کی کمر توڑ رکھی ہے، اور کہیں خاندانی وقار اور جھوٹی عزت کے نام پر ایسے ایسے اخراجات کیے جاتے ہیں جن کے لیے لوگ قرض لینے، زمین جائیداد فروخت کرنے اور برسوں مالی پریشانیوں میں مبتلا رہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ رسمیں محض انفرادی نقصان تک محدود نہیں بلکہ ان کے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔ جب اہلِ ثروت اپنی دولت کی نمائش کے لیے حد سے زیادہ اخراجات کرتے ہیں تو غریب طبقہ بھی معاشرتی دباؤ کے باعث ان کی تقلید پر مجبور ہوتا ہے۔ یوں ایک ایسی مسابقت جنم لیتی ہے جس کا نتیجہ حسد، احساسِ کمتری، قرض داری، گھریلو تنازعات اور بے شمار معاشرتی برائیوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

افسوس ناک امر یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی چیزوں کو لوگ گناہ اور ظلم سمجھنے کے بجائے اپنی سماجی ضرورت اور خاندانی وقار کا حصہ تصور کرنے لگے ہیں، حالاں کہ شریعتِ مطہرہ نے ان میں سے اکثر امور کی نہ صرف حوصلہ شکنی کی ہے بلکہ بعض صورتوں میں انہیں صریح ظلم اور ناجائز قرار دیا ہے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم معاشرہ جذبات، خواہشات اور رسم پرستی کے بجائے کتاب و سنت کی روشن تعلیمات کو اپنا معیار بنائے، معاشرتی زندگی سے

ان تمام رسومات و خرافات کا خاتمہ کرے جو دینی اقدار کے منافی اور انسانی فلاح کے لیے نقصان دہ ہیں، اور نکاح و شادی سمیت تمام معاشرتی معاملات میں سادگی، اعتدال، اخلاص اور شرعی حدود کی پابندی کو فروغ دے۔

اسی میں فرد کی کامیابی، خاندان کا استحکام اور پورے معاشرے کی اصلاح مضمر ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں انہی معاشرتی رسوم، ان کے نقصانات، شرعی حیثیت اور اصلاحی پہلوؤں پر گفتگو کی جائے گی تاکہ امتِ مسلمہ اس سنگین مسئلے کی حقیقت کو سمجھے اور ایک صحت مند، پاکیزہ اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کی جانب عملی قدم بڑھا سکے۔

ممتاز العلماء استاذ گرامی حضرت علامہ مولانا مفتی ممتاز عالم مصباحی صاحب دامت برکاتہم (پرنسپل: جامعہ اہل سنت شمس العلوم گھوسی) نے جہیز کے مفہوم و اقسام اور اس کے تاریخی، سماجی و شرعی پس منظر پر نہایت عام فہم انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ

جہیز کی تعریف

جہیز کا لفظ عربی زبان سے اردو میں آیا ہے جھز یجھز تجھیزا (تفعیل) کے معنی سامان مہیا کرنے کے ہیں اب اردو میں جہیز کا اطلاق اس سامان اور نقد پر ہوتا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر لڑکوں کو والدین اور میکے والوں کی جانب سے دیا جاتا ہے۔

جہیز کی اقسام

دور حاضر میں جہیز کی دو قسمیں رائج ہیں

قسم اول: وہ ساز و سامان جس کو باپ اپنی مالی حیثیت اور صواب دید کے مطابق بلا کسی جبر و اکراہ کے خوشدلی کے ساتھ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت دیا کرتا ہے۔

قسم دوم: وہ ساز و سامان یا نقد جس کو لڑکے کے گارجین شادی سے قبل یا شادی کے بعد شادی کی شرط قرار دے کر وصول کرتے ہیں اور لڑکی کا باپ بہ جبر و اکراہ اس کو ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں جہیز کا اطلاق اس معنی میں زیادہ ہوتا ہے۔

جہیز کی تاریخی حیثیت

جہیز کی پہلی قسم مسلمانوں میں زمانہ قدیم سے رائج ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اس رسم کا وجود اہل عرب میں اسلام سے پہلے یا بعد میں تھا یا نہیں۔ اس سلسلے میں مؤرخین و محققین کا شدید اختلاف ہے۔

جمہور محققین کی رائے یہ ہے کہ اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ تاریخ و سیر کے مطالعہ سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہل عرب نے اپنی بیٹیوں کی رخصتی کے وقت یہ رسم برتی ہو۔ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں ازواج مطہرات آئیں۔ اور آپ نے اپنی بیٹیوں کو بھی شادی کے بعد رخصت کیا مگر جہیز کا سامان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کیا آیا اور گھر سے کیا گیا۔ اس کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں۔ بس حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو آپ نے وقت

رخصتی چند ضروری سامان عطا فرمایا تھا۔ اس کو بھی محققین جہیز کا نام نہیں دیتے بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجبوری اور ضرورت پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ علمائے امت اور فقہائے ملت نے اس پر جہیز کا اطلاق کیا ہے تو ہم بھی اس کو جہیز ہی کہیں گے۔

یہ بحث جہیز کی پہلی قسم سے متعلق تھی۔ اب جہیز کی قسم ثانی کی تاریخی حیثیت کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ جہیز پورے طور پر ہندو سماج سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی بنیاد ہندو دھرم میں عورت کے تعلق سے عقیدۂ تحقیر و تذلیل ہے۔ ہندو سماج میں عورت کو مرد سے حقیر اور ذلیل تصور کیا جاتا ہے۔

رام چرتر مانس میں تلسی داس کہتے ہیں" :بدھا تا بھی عورت کے دل کی بات نہیں سمجھ سکتے، یہ سراپا کمینہ احمق اور برائیوں کی کان ہے۔ ہندو مذہب کے مطابق کم از کم ایک لڑکا پیدا کرنا عورت کا فرض ہے۔ جو عورت ایک لڑکا بھی پیدا نہیں کر سکتی وہ بدترین خلائق میں شمار کی جاتی ہے۔

آج سے پہلے لڑکی کی پیدائش کو والدین کے ساتھ ساتھ پورے خاندان کے لیے باعث ننگ و عار اور نحوست و شامت کا نشان مانا جاتا تھا۔ اسی لیے اس ممکنہ نحوست کو ٹالنے کے لیے شادی کے وقت ہونے والے شوہر کو دان کر دیا جاتا تھا۔

جہیز کی سماجی حیثیت

مذکورہ بالا تفصیلات سے روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہوگئی کہ جہیز کی دوسری قسم سے ہندو سماج وابستہ ہے۔ اسلامی کلچر کا اس سے دور کا بھی لگاؤ نہیں۔

کیونکہ اس جہیز کی بنیاد عورت کی تحقیر و تذلیل پر ہے اور اسلام عورت کو مرد کے مساوی حقوق دے کر اسے معزز و محترم بناتا ہے بلکہ اسے ذریعۂ نجات بنا کر پیش کرتا ہے۔

''عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم انه قال الجنة تحت أقدم الأمهات''.

(جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے) اس تعلق کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس قسم کے جہیز کی لعنت ہندو معاشرہ کا خاصہ ہو۔ مگر نہ جانے اس رسم قبیح نے مسلم معاشرے کو بھی کس طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ بہت ہی افسوسناک امر ہے۔

اسی جہیز نے بہت سے آباد گھروں کو ویران بنا دیا۔ خوشحالی کو زبوں حالی اور شادی خانہ آبادی کو خانہ بربادی میں تبدیل کر دیا۔

یہی جہیز ہے جس کی کمی کے سبب لڑکیوں کو سسرال میں ستایا جاتا ہے۔ بلکہ اب نذر آتش کر دیا جاتا ہے اور اب تو لڑکیاں احساسِ کمتری کا شکار ہو کر خود اپنے گھروں ہی میں خود کو ہلاک کر رہی ہیں۔

یہی جہیز ہے جس نے مرد و عورت میں غیر فطری عمل کے رجحان کو بڑھاوا دیا ہے۔ فحاشی اور بے حیائی کو عام کیا ہے اور لڑکی کی پیدائش کو باعث ذلت و رسوائی اور سبب ندامت و پشیمانی بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل دور جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا اور آج کے ترقی یافتہ دور میں الیکٹرانک مشینوں کا سہارا لے کر شکم مادر ہی میں ان کو ضائع کر دیا جاتا ہے۔ یعنی اس جہیز نے ترقی یافتہ دور کو دور جاہلیت سے دو قدم آگے کر دیا ہے۔

آج کے لوگ لڑکے اور لڑکی کے انتخاب میں ان کی دنیوی تعلیمی لیاقت، مالی پوزیشن، خاندانی وجاہت اور شکل وصورت کو دیکھتے ہیں۔ مگر ان کے دین و اخلاق کے بارے میں کبھی معلوم کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ ان کا ایمان و عقیدہ درست ہے یا نہیں۔ وہ ضروریات دین سے واقف ہیں یا نہیں۔

جہیز کی شرعی حیثیت

اس باب میں تفصیل ہے۔ جہیز کی پہلی قسم جسے باپ از راہ شفقت بلا جبر و اکراہ اپنی بیٹی کو رخصتی کے وقت دیتا ہے جائز ہے۔ بشرطیکہ حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔ اس کے جواز کے لیے جہیز فاطمی کو سند کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے لیکن جہیز کی دوسری قسم کا شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ کئی شرعی فسادات و منکرات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے فاسد اور نا جائز ہے۔ یہ ایک اجمال ہے جس کی تفصیل و تحلیل اس طرح ہے۔

(ا) فساد اوّل- عورت کی تحقیر و تذلیل:

ماسبق میں تاریخی تجزیہ سے ثابت کیا گیا کہ یہ جہیز ہندو سماج کی ایجاد ہے اور عورت کی تحقیر و تذلیل پر مبنی ہے جو اسلامی نظریہ کے سراسر منافی ہے۔ مذہب اسلام میں عورت اتنی ہی معزز و محترم ہے جتنا کہ مرد عورت کو مساویانہ حقوق حاصل ہیں۔ عورت سکون قلب و جگر ہے۔ اسلام نے ان دونوں کے درمیان صنفی تشخص کے علاوہ کہتری و بہتری کی تفریق نہیں کی۔

مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً

(سورة النساء: آیت ۱)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمھیں ایک ذات سے پیدا کیا اور اس سے جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت دنیا میں پھیلا دیے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوا:

هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

(سورة الأعراف: آیت ۱۸۹)

وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسکی جنس سے اسکا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔

آیت متذکرہ سے واضح ہوتا ہے کہ مرد و زن کی تخلیق کا مقصد و منشاء انسانی نسل کا فروغ اور تسکین نفس ہے اور جس کی پیدائش ان عظیم مقاصد و مصالح کے لیے ہو وہ بھلا کیسے حقیر و ذلیل ہو سکتی ہے۔

(۲) فساد دوم۔ظلم اور اکل بالباطل:

یہ جہیز زور زبردستی سے وصول کیا جاتا ہے لہٰذا یہ ظلم صریح اور باطل طریقے سے کسی کا مال کھانے کے دائرہ میں آئے گا اور شریعت اسلامیہ میں ظلم وعدوان اور غلط ڈھنگ سے کسی کا مال کھانا اور لینا حرام ۔ اس پر شدید وعید وارد ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ

تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ - وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ-اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا" "وَ مَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ عُدۡوَانًا وَّ ظُلۡمًا فَسَوۡفَ نُصۡلِيۡهِ نَارًا ؕ-وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا) "

(سورة النساء؛ آیت ۲۹/ ۳۰)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ لین دین آپس کی رضامندی سے ہونی چاہیے اور نہ اپنے آپ کو قتل کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم لوگوں پر مہربان ہے۔ جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا ہم اس کو آگ میں ضرور جھونکیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

(۳) فساد سوم-رشوت خوری:

لڑکی کے باپ سے اس قسم کا جہیز اور متعیّنہ رقم شادی کے لیے شرط کی حیثیت رکھتی ہے جو رشوت کے خانہ میں آتی ہے اور رشوت خوری حرام ہے شریعت میں رشوت لینے اور دینے پر زبردست وعید آئی ہے اور رسول باوقار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الرّاشي وَالْمرْتشي كلاهما في النار.

رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنمی ہیں۔

(۴) فساد چہارم-جنسی جرائم کا فتح باب:

مروجہ جہیز کی لعنت کی وجہ سے جہاں قیمت بڑھانے کے لیے نوجوان لڑکوں کی شادی میں تاخیر کی وجہ سے ان کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے وہیں جہیز جُٹانے میں نوجوان لڑکیاں عمر رسیدہ ہو جاتی ہیں۔ پھر فطری جذبات اور ہیجانی کیفیت کے تقاضوں کے

پیش نظر ان کی عصمت و عفت اور پاکدامنی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔
جنسی جرائم کا دروازہ کھل جاتا ہے اور معاشرے میں زبردست فساد پھیل جاتا ہے۔اس لیے یہ جہیز مُفْضِی إلی الفساد (فساد کی طرف لے جانے والا) ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو گئے۔

(۵)فساد پنجم-حرام خوری کا فروغ:

جہیز کی یہ قبیح رسم لڑکی کی پیدائش کے ساتھ ہی گارجین کو زیادہ دولت فراہم کرنے کی فکر میں مبتلا کر دیتی ہے۔ظاہر ہے کہ جائز طریقوں سے اتنی کمائی ہو نہیں سکتی پھر وہ غلط ذرائع آمدنی کا استعمال کرتا ہے۔اس طرح وہ حرام خوری کا خوگر ہو جاتا ہے اور حرام خوری معاشرے کے فساد کا بنیادی سبب ہے۔اس سے بے پناہ جرائم جنم لیتے ہیں۔

(۶)فساد ششم-سنت کی راہ میں رکاوٹ:

مذکورہ تفصیلات سے واضح ہوا کہ جہیز کی وجہ سے نکاح میں غیر معمولی تاخیر ہوتی ہے۔جہیز نکاح کے لیے ایک زبردست رکاوٹ ہے جب کہ نکاح سنت رسول ہے اور سنت رسول سے رکاوٹ پیدا کرنا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق قطع کرنے کے مرادف ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنّي .

نکاح میری سنت ہے جو میری سنت سے اعراض کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

(۷) فساد ہفتم-تبذیر و اسراف:

شادی بیاہ کے موقع سے جہیز کی یہ رسم شنیع اور دیگر فضول خرچی اضاعت مال اور تبذیر و اسراف کے دائرہ میں آتی ہے۔ شریعت میں اسراف و تبذیر عمل قبیح اور فعل شنیع ہے۔ اس کو شیطانی کام قرار دیا گیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ-وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا

(سورۃ الاسراء: آیت ۲۶/۲۷)

اور فضول نہ اڑا بے شک فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

الحاصل:

جہیز بے شمار سماجی جرائم و مفاسد کا منبع ہے۔ جہیز سراسر ظلم و عدوان ہے۔ جہیز ایک دیمک کی طرح ہے جو سماج و معاشرہ کی جڑ کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ جہیز رحمانی نہیں شیطانی کام ہے۔ جہیز جہنم میں جانے کا ایک راستہ ہے۔ جہیز عورت کے متعلق ہندو سماج کے عقیدہ تحقیر و تذلیل کو تسلیم کر کے ہندو تہذیب میں ضم ہونے اور یکساں سول کوڈ میں ڈھلنے کی طرف بڑھتا ہوا ایک لاشعوری قدم ہے۔ جہیز مرد کا اپنی قوامیت اور ذمے داری سے فرار کا نام ہے۔ جہیز ایک پاکیزہ اسلامی معاشرہ کے لیے سم قاتل (مہلک زہر) ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ جہیز جیسی شناعت سے معاشرہ کو پاک کریں۔

(جہیز اور ہمارا معاشرہ: صفحہ ۴۰/۴۱/۴۲ ناشر، مدینۃ العلوم انسٹی ٹیوٹ توپسیا)

حضور فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

لڑکا یا اس کے گھر والوں کا شادی کرنے کے لئے نقد روپیہ یا سامان جہیز مانگنا یا موٹر سائیکل یا کار وغیرہ کا مطالبہ کرنا حرام و ناجائز ہے اس لئے کہ وہ رشوت ہے۔

(فتاویٰ فیض الرسول: جلد ۲ صفحہ ۶۸۳ مطبوعہ، اردو بازار لاہور)

اظہار خیال:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی (بچباری آباد پور کٹیہار (بہار)

استاذ و مفتی: جامعہ مصباح العلوم کد متلی (پوکھریا مالدہ بنگال)

شائع کردہ: 8 جون 2026ء بروز سہ شنبہ

تحریک آزادی میں علما کا کردار (تاریخ کا مکتوم ورق)

صفحاتِ ہند کی لمحہ بہ لمحہ کھلتی ہوئی تاریخ پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو وہاں ایک طویل العہد، چشم کشا اور روح کو جھنجھوڑ دینے والی داستان ثبت ہے۔ ایک ایسی داستان جو نہ صرف ماضی کے نقوش کو زندگی بخشتی ہے بلکہ یہ اعلان بلند کرتی ہے کہ آج کا یہ آزاد، خود مختار اور سربلند ہندوستان؛ جس کی فضاؤں میں امن، سکون، مساوات، یکجہتی اور اخوت کی مہک آج بھی موجزن ہے، دراصل اُن بے مثال، لازوال اور تاریخ ساز قربانیوں کا ثمرہ ہے جو ہمارے اسلاف، مجاہدینِ حریت اور جانبازانِ وطن نے اپنے خون سے رقم کیں۔

ان مردانِ کار نے تحریکِ آزادی کے لیے محض زبان و بیان، تقریر و تحریر یا سیاسی نعرے بازی کو کافی نہ سمجھا، بلکہ انہوں نے اپنے تن و جان کی حرارت، اپنے خوابوں کی چمک، اپنی زندگانی کی بہار اور اپنی رگِ جاں میں دوڑتے آخری قطرۂ لہو تک کو مادرِ وطن کے نام وقف کر دیا۔

ان کی جاں گسل قربانیوں، ان کی دردمندانہ جدوجہد، ان کی غیر متزلزل استقامت اور ان کی فولادی عزم و ہمت نے غلامی کے طویل، تاریک اور سیاہ و ستم شعار پردوں کو چیر کر اس دھرتی پر آزادی کی وہ روشن، درخشندہ اور روح پرور صبح طلوع کی جس کے نور سے آج بھی ہمارا آسمان منور ہے۔

مگر افسوس! صد افسوس کہ تاریخ کے قلم نے ہمیشہ انصاف کا دامن نہیں تھاما۔ مورخین نے اپنی بے رحمی، بے اعتنائی اور جانبدارانہ رویے سے ان بے لوث

مجاہدوں کے نام اور کارناموں کو یا تو حاشیے میں دھکیل دیا یا انہیں محض ایک غیر اہم فقرے میں سمیٹ کر گزر گئے۔

انہوں نے چمک دار مسندوں، سیاسی اقتدار اور بلند بانگ خطابات کے حامل چند قائدین کو تو بڑھا چڑھا کر پیش کیا، مگر علمائے اہلِ سنت، برگزیدہ مشائخ، مدارس کے فاضلین اور دین وملت کے ان گمنام سپاہیوں کی حیرت ناک، شجاعت آفریں اور ناقابلِ فراموش قربانیوں کو دانستہ آنکھوں اوجھل کر دیا۔

یہاں تک کہ ہمارے اپنے لوگ جن کے گھروں میں انہی علما کی برکتوں کی خوشبو بسی ہے—جب ان عاشقانِ وطن کے اسمائے گرامی سنتے ہیں تو حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھنے لگتے ہیں اور اپنی لاعلمی، بے خبری اور تاریخی غفلت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جب ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو ایک روشن حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس ملک کی آزادی اور اس کی فکری تعمیر میں علمائے کرام کا کردار محض ایک باب نہیں بلکہ پوری تاریخ کی روح ہے۔ آئیے! اسی تعلق سے ان عظیم شخصیات کا تذکرہ کریں جن کی کاوشوں نے اسلام کی علمی فضا کو بھی معطر کیا اور وطنِ عزیز کی بنیادوں کو بھی مضبوط کیا۔

علمائے کرام کی شرکت

مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں مجددی دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہم اللہ اور دیگر مشائخِ عظام کی فکری

غذا کو حاصل کرنے کے ساتھ ان کے نقوشِ ہدایت کی پاکیزہ شاہ راہ پر چل کر جن علماے کرام و مجاہدین نے ناقابلِ فراموش کارنامے انجام دیے۔

ان کے چند اسمائے گرامی ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء میں یوں مرقوم ہیں:

"انقلابِ ۱۸۵۷ء کی قیادت اس دور کے مشاہیرِ علما و ائمہ کرام نے صرف فتاویٰ جہاد جاری کرنے تک محدود نہیں رکھی، بلکہ اپنی عاجلانہ منصوبہ بندی اور عملی کوششوں کے ذریعے بھی اسے کامیابی سے ہم کنار کرنے کی سعی کی تھی۔

بہادر شاہ ظفر، جنرل بخت خاں روہیلہ، شہزادہ فیروز شاہ اور نواب مجد الدین المعروف محمود خاں مراد آبادی وغیرہ نے جو عسکری اقدامات کیے، ان کے پس منظر میں جن علماے کرام کا ہاتھ کارفرما تھا، ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی، علامہ فضلِ حق خیرآبادی، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی، مفتی مظہر کریم دریابادی، مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی، مولانا باج الدین مرادآبادی، امام بخش صہبائی دہلوی، منشی رسول بخش کاکوروی، غلام امام شہید، امیر مینائی، منیر شکوہ آبادی وغیرہم۔"

(ہندوستان کی آزادی میں علماء کی خدمات: عطاء المصطفیٰ مصباحی، صفحہ 6)

ذیل کی سطروں میں اختصار کے ساتھ چند علمائے کرام کے مختصر حالات زندگی کے پاکیزہ نقوش ملاحظہ فرمائیں:

علامہ فضل حق خیر آبادی

آپ کی ولادت دہلی میں ۱۲۱۲ھ میں ہوئی۔ آپ نے تمام علومِ مروّجہ ۱۲ سال کی عمر میں حاصل کر لیے۔ جب انگریزوں نے ظلم وستم کی فضا قائم کی تو اسے روکنے اور ہندوستان میں جہاد کی روشنی پھیلانے کے لیے جامع مسجد دہلی میں جمعہ کے دن آپ نے ایک تاریخی تقریر فرمائی اور جہاد کے فتوے کو بھی مرتب کیا، جس پر آپ کے علاوہ متعدّد علمائے اسلام و قائدین نے دستخط کیے۔

سلسلہ دراز ہوتا گیا یہاں تک کہ ۳۰ جنوری ۱۸۵۹ء کو آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور آپ کے خلاف مقدمہ بھی چلایا گیا۔ محض مقدمہ تک بات نہیں رہی، بلکہ جہاد کا فتویٰ دینے اور مجاہدین میں جذبۂ حریت پیدا کرنے کے جرم میں آپ کی جاگیر ضبط کر لی گئی اور تاحینِ حیات جزیرہ انڈمان کی سزا سنائی گئی۔

آخر کار علم وفضل کا یہ نیرِ تاباں اپنی روشنیاں بکھیر کر ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء کو جہانِ غربت میں غروب ہو گیا۔

مفتی صدرالدین آزردہ

آپ کی پیدائش ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ء کو دہلی میں ہوئی۔ آپ علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ آپ نے مشائخ کرام کے چشمۂ علم و فن سے یوں سیرابی حاصل کی کہ کم عمری میں ہی آسمانِ علم وفضل کا درخشندہ ستارہ بن کر چمکنے لگے۔

آپ کو علمِ قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر کے علاوہ منطق و ریاضی میں بھی کامل

دسترس حاصل تھی۔ آپ کی علمی جلالت اپنوں کے علاوہ غیروں پر بھی ظاہر و باہر تھی۔

آپ کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ برطانوی عہدِ حکومت میں آپ تقریبًا تین سال تک مناصبِ جلیلہ پر فائز رہے اور مفتی سے لے کر صدر الصدور تک کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ یقینا برطانوی راج میں اتنے طویل عرصے تک ایسے عظیم منصب پر قائم رہنا ہرکس وناکس کی بات نہ تھی۔

جنگِ آزادی میں آپ نے بھرپور حصہ لیا اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے مرتب کردہ جہاد کے فتوے کی تصدیق بھی فرمائی۔ اس وجہ سے ملازمت کے دوران حاصل شدہ املاک و جائیداد ضبط کرلیا گیا، اتنا ہی نہیں بلکہ فتوائے جہاد کی وجہ سے کئی مہینے تک قید میں بھی رہے، بعد میں رہائی ہوئی۔

آخر کار آپ کی روح ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء کو دہلی میں قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

مفتی کفایت علی کافی مرادآبادی

آپ ایک باعمل عالمِ دین اور سچے عاشقِ رسول تھے۔ آپ ضلع بجنور کے ایک معزز سید گھرانے کے فرد تھے۔ آپ گفتار و کردار کے پیکر تھے۔ یقینا آپ بے پناہ فضل وکمال کے مالک تھے، مگر آپ کو امر بنانے والی چیز آپ کا جذبۂ آزادی تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ آپ جنگِ آزادی کے ایک فعال رکن تھے۔ آپ کے جذبۂ حریت نے آپ کو لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنادیا تھا۔ مغل سلطنت کے آخری تاجدار

بہادر شاہ ظفر کے دل میں آپ کے لیے بڑی عقیدت تھی۔ بہادر شاہ ظفر نے جہادِ حریت کے بارے میں تبادلہ خیال کرنے کے لیے آپ کو دہلی بلایا۔

آپ بھی جنرل بخت خان اور مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی کے ساتھ انگریزوں سے معرکہ آرائی میں پیش پیش رہے۔ پھر ۱۲ اپریل ۱۸۵۸ء کو مرادآباد پر انگریزوں کے قابض ہونے کے بعد ۳۰ اپریل ۱۸۵۸ء کو آپ گرفتار کیے گئے اور مقدمہ قائم ہوا۔

مرادآباد جیل سے متّصل ۶ مئی ۱۸۵۸ء کو آپ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ انگریزوں نے آپ کو قید خانے میں بڑی دردناک اور رنج افزا اذیتیں جو لائق بیان نہیں۔

آپ کی زبان پھانسی دیے جانے کے وقت بھی یوں عشق رسالت کا ثبوت پیش کر رہی تھی:

کوئی گل باقی رہے گا، نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تنِ بے جان پر خاکی کی کفن رہ جائے گا
ہم صفیرو! باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اُڑ جائیں گی، سونا چمن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحبِ لولاک کے اوپر درود
آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا

سب فنا ہو جائیں گے کافیؔ، ولیکن حشر تک
نعتِ حضرت کا، زباں پر یہ سخن رہ جائے گا

مفتی عنایت احمد کاکوروی

آپ ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۸۱۳ء کو دیوہ ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ آپ نسلاً قریشی اور مذہباً حنفی تھے۔

علومِ عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کے بعد آپ نے علی گڑھ میں اپنے استاد مولانا بزرگ علی مارہروی کے انتقال کے بعد ان کی جگہ تدریسی خدمات سنبھالیں اور بعد میں منصبِ افتا بھی آپ کے سپرد ہوا۔

ادب اور ریاضی میں آپ درجہ کمال رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد آپ سرکاری ملازم ہوگئے اور علی گڑھ میں منصف کے عہدے پر فائز ہوئے، پھر صدر امین بن کر بریلی شریف تشریف لے گئے۔

بریلی کے قیام میں آپ انقلاب ۱۸۵۷ء کے حریت پسندوں کی سرگرمیوں میں شریک رہے۔ تحریک کے دب جانے کے بعد بھی بریلی و مرادآباد وغیرہ کئی مقامات پر انگریزوں کے خلاف عملی کردار ادا کیا۔ اسی جرم میں آپ گرفتار کیے گئے اور کالا پانی کی سزا دی گئی۔

وہاں آپ نے متعدّد کتابیں تصنیف کیں۔ ۱۲۷۷ھ میں رہائی ملی، مگر حج کے سفر کے دوران جدہ کے قریب جہاز کے حادثے میں ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۶۳ء کو جامِ شہادت نوش فرمایا۔

مولانا فیض احمد بدایونی

آپ کی ولادت مولوی محلہ بدایوں میں ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۸ء میں ہوئی۔

آپ نے ۱۴ برس کی عمر میں علومِ اسلامیہ کی تکمیل کرلی۔

سینٹرل بورڈ آف ریونیو میں ملازمت کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے مشہور عالمِ دین تھے۔ آپ عربی زبان کے بلند پایہ ادیب و شاعر تھے۔

آپ کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ ردِّ عیسائیت میں غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے۔ جب انگریز عیسائیت پھیلا رہے تھے، آپ پادریوں سے مناظرے کرتے اور عیسائیت کا بلیغ ردّ فرماتے۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔ آخری معرکہ مگر ککرالہ (بدایوں) میں ہوا، جہاں انگریزوں کا مشہور جرنیل پینی مارا گیا۔

(ہندوستان کی آزادی میں علماء کی خدمات: عطاء المصطفیٰ مصباحی، صفحہ 7)

رب تعالیٰ ہمارے ان علماء جنہوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا اپنی خاص رحمتوں سے نوازے اور ان کی فیوض و برکات سے ہم تمام کو مستفیض و مالا مال فرمائے۔

آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

از قلم:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آباد پور، کٹیہار (بہار)

عربی زبان کی اہمیت و افادیت

عربی زبان کو دنیا کی زبانوں میں ایک منفرد رفعت، انتخابی شرف اور امتیازی مقام حاصل ہے۔ یہ محض اظہارِ خیال کا ایک ذریعہ نہیں، بلکہ فضیلت و وقار کی حامل، محاسن و کمالات کی جامع اور فصاحت و بلاغت کی آئینہ دار زبان ہے۔

تنوعِ اسالیب، وسعتِ معانی اور حسنِ ادا کے اعتبار سے یہ زبان دیگر تمام زبانوں سے نمایاں اور ممتاز نظر آتی ہے۔

یہ حقیقت بھی قدرتِ الٰہی کی عظیم الشان نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے نوعِ انسانی کو مختلف زبانوں اور لہجوں سے نوازا۔ روئے زمین پر بولی جانے والی زبانوں کی کثرت، خود خالقِ کائنات کی حکمت اور صناعی پر روشن دلیل ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے

"وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ-اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ

(سورة الروم : آیت ۲۲)

ترجمہ کنز الایمان: اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف اس کی نشانیوں میں سے ہے، بے شک اس میں علم والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

یہ قدرتِ خداوندی کا عظیم مظہر ہے کہ تمام انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، مگر بولیوں کی شیرینی، رنگوں کی دلکشی اور ساخت کی انفرادیت انہیں ایک دوسرے

سے ممتاز کرتی ہے۔ انسانی زبانیں قدرت کے عظیم اور بلیغ شاہکاروں میں سے ہیں، جو زمین پر رنگارنگی اور تنوع کی دلکش تصویر پیش کرتی ہیں۔

مگر ان تمام زبانوں کے درمیان خالقِ کائنات نے ایک زبان کو ایسا جاہ و جلال عطا فرمایا کہ وہ نہ صرف فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ بنی، بلکہ تمام زبانوں کا تاج پہن کر محبت اور ادب کی ملکہ قرار پائی۔

یہ وہ منفرد زبان ہے جس پر وحیِ الٰہی نازل ہوئی، جس نے انسانیت کو ہدایت کے گوہر عطا کیے، اور جس کا حرف حرف ازلی حسن میں ڈوبا ہوا ہے۔ اسی کو ہم عربی زبان کہتے ہیں؛ جو ہر زبان کی زینت، ہر لہجے کا وقار اور جس کی گونج ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

یہ وہ زبان ہے جو قلبِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور ہمیشہ کے لیے دنیا کے سینوں میں نورِ ہدایت بن کر محفوظ ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ خالقِ کائنات نے ہر زبان کو اپنا مظہر بنایا، مگر عربی کو تمام زبانوں میں شاہکار کا درجہ عطا فرمایا۔ یہ عظیم زبان ہر دور کے چیلنجز کا مقابلہ کرتی ہوئی زندہ و تابندہ رہی ہے اور تاقیامت رہے گی۔

عربی زبان کو دینِ اسلام میں ایک خاص مقام اور امتیازی فضیلت حاصل ہے، کیوں کہ قرآنِ مجید، احادیثِ مبارکہ، شریعت کے بنیادی مصادر اور بے شمار علمی ذخائر اسی زبان میں محفوظ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو عربی زبان میں نازل کرنے کی حکمت یوں بیان فرمائی:

إِنَّآ أَنزَلۡنَٰهُ قُرۡءَٰنًا عَرَبِيّٗا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُونَ

(سورۂ یوسف: آیت ۲)

ترجمہ: ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ تم سمجھ سکو۔

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ قرآنِ مجید کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے عربی زبان سے واقفیت نہایت ضروری ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان تمام زبانوں میں سب سے زیادہ فصیح، واضح، وسیع اور معانی کی ادائیگی میں سب سے زیادہ مؤثر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عربی زبان سے محبت اور اس کے سیکھنے کی ترغیب ارشاد فرمائی۔

حدیثِ مبارکہ میں ہے:

"أَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ : لِأَنِّي عَرَبِيّ، وَالْقُرْآنُ عَرَبِيّ، وَكَلَامُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيّ"

{رواه الحاكم فى المستدرك ط. دار المعرفة، بيروت ص٨٧.
قال الهيتمى : سنده ضعيف. انظر كتاب مبلغ الأرب فى العرب
للهيمتى، تحقيق السيد ابراهيم ط. القاهرة: ص ٢٠}.

ترجمہ: عرب والوں محبت کرو تین وجہوں سے: اس لیے کہ میں عربی ہوں، قرآن عربی ہے، اور اہلِ جنت کی گفتگو بھی عربی ہے۔

الغرض، عربی زبان محض ایک زبان نہیں بلکہ ہمارا دینی، ثقافتی اور علمی ورثہ ہے۔ عصرِ حاضر میں عربی زبان کی قدر و منزلت کو سمجھنا، اس کے سیکھنے اور فروغ کی

سنجیدہ کوشش کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

ہندوستان میں عربی زبان کی بقا، تعلیم اور ترویج پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دینی مدارس نے اس میدان میں سب سے بنیادی اور فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ انہی اداروں کی مسلسل محنت، مضبوط تدریسی روایت اور علمی وابستگی کے باعث عربی زبان نہ صرف محفوظ رہی بلکہ نسل در نسل منتقل ہوتی چلی آئی۔

بعد ازاں! سرکاری و غیر سرکاری تعلیمی اداروں، جامعات اور کالجوں نے بھی عربی زبان و ادب کی تعلیم کو اپنے نصاب کا حصہ بنا کر اس کے فروغ میں قابلِ ذکر خدمات انجام دیں، جن سے انکار ممکن نہیں۔

اگر یہ مطلوب ہو کہ عربی زبان روز مرہ گفتگو، علمی و فکری مباحث، اور تہذیبی و ادبی سرگرمیوں میں بھی عالمی زبانوں کے شانہ بہ شانہ نظر آئے، اور اس کے وقیع علمی و اسلامی ذخیرے سے براہِ راست اور بھرپور استفادہ ممکن ہو، تو اس کے لیے منظم منصوبہ بندی، سنجیدہ کاوشوں اور اجتماعی کوششوں کے ساتھ عربی زبان کو زیادہ سے زیادہ عام کرنا ناگزیر ہے۔

عربی زبان کی عظمت، فضیلت اور وسعتِ اثر محتاج بیاں نہیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ فقیر امجدی علیمی نے عربی زبان کی اہمیت اور اس کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے ایک مستقل تصنیف "اهمية اللغة العربية" مرتب کی ہے۔

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ اہلِ علم، طلبۂ علومِ دینیہ اور عربی زبان سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس زبان کی حقیقی قدر و منزلت کو سمجھیں اور اس کے سیکھنے اور

پھیلانے کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہوں۔

علم و ذوق رکھنے والے احباب سے گزارش ہے کہ موضوع کی تفصیلی بحث، مضبوط دلائل اور علمی نکات سے واقفیت کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیں، کہ یہ عربی زبان سے وابستگی کو تازہ کرنے اور اس کے فہم کو مزید گہرا کرنے کی ایک خلوص پر مبنی علمی کاوش ہے۔

خامہ فرسائی:
محمد اشفاق عالم امجدی علیمی
بچھاری، آبادپور، کٹیہار (بہار)
فاضل: جامعہ علیمیہ جمداشاہی بستی

سید سالار مسعود غازی بحیثیت مظہر عیسیٰ علیہ السلام

اسلام کی زرّیں تاریخ ایسے رجال باکمال، عباقرۂ روزگار، مجاہدینِ بے مثال اور شہسواران حق کے ایمان افروز تذکروں سے مزین ہے جنھوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے حق و صداقت کی آبیاری کی، باطل کی جبینِ نخوت کو خاک آلود کیا اور عقیدۂ توحید کے پرچم کو اقصائے عالم تک سربلند رکھا۔

یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کی زندگیاں عزیمت و استقامت، شجاعت و بسالت، زہد و ورع، ایثار و وفا اور عشقِ الٰہی کے انمٹ نقوش سے عبارت ہیں۔ ان کی تلواروں کی جھنکار میں دعوتِ حق کی صدا تھی، ان کے لہو کی ہر بوند میں بقائے اسلام کا پیام تھا، اور ان کی شہادتوں نے تاریخِ انسانیت کے افق پر ایسے تابندہ نقوش ثبت کیے جنھیں رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

تاریخ کا بے لاگ مطالعہ اس حقیقت کا غماز ہے کہ جب بھی باطل نے اپنے جبر و استبداد، ظلم و طغیان اور کفر و شرک کی سیاہ چادریں پھیلانے کی جسارت کی، تب اہلِ ایمان کے ایسے جانباز سپوت میدانِ عمل میں اترے جنھوں نے اپنی عزیمتِ ایمانی، جرأتِ مردانہ اور یقینِ محکم سے ظلمت کے ہر طلسم کو پاش پاش کر دیا۔ ان کا ہدف اقتدار کی توسیع، سلطنت کی وسعت یا دنیاوی جاہ و حشمت کا حصول نہ تھا، بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ، احقاقِ حق، ابطالِ باطل، تحفظِ دین اور رضائے ربِ ذوالجلال ان کی حیات کا واحد نصب العین تھا۔

انہی آفتاب شجاعت، ماہتاب ولایت، گلستان سیادت کے گلِ سرسبد اور

کارزار حق کے عظیم شہسواروں میں ایک اسم گرامی مجاہدِ اسلام، داعیِ دین مظہرِ عیسیٰ حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمۃ والرضوان کا بھی ہے، جن کی ذات شجاعت و سیادت، عبادت و ریاضت، تقویٰ و طہارت، عزیمت و شہامت اور عشقِ الٰہی وعشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حسین امتزاج تھی۔ آپ نے نوخیز سنی ہی میں وہ غیر معمولی اوصاف و کمالات ظاہر فرمائے، جن تک پہنچنا بڑے بڑوں کے لیے بھی باعثِ رشک ہے۔ آپ کی پوری زندگی دعوتِ دین، نصرتِ اسلام، خدمتِ خلق اور حصولِ شہادت کی والہانہ آرزو سے عبارت ہے۔

حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اہلِ ہند پر احسان عظیم ہے کہ آج سرزمین ہند میں لاکھوں، کروڑوں مسلمان اپنے معبودِ حقیقی کے حضور جبینِ نیاز خم کر رہے ہیں، اور آپ کے طفیل رب تعالیٰ نے ہمیں کائنات کی سب سے عظیم نعمت، یعنی نعمتِ ایمان، سے سرفراز فرمایا۔

آپ کی حیاتِ طیبہ استقامت، ایثار، عشقِ الٰہی اور جذبۂ شہادت کی ایک درخشاں تاریخ ہے۔ آپ کا ہر قدم حق کی نصرت، ہر سانس دین کی خدمت، ہر معرکہ ایمان کی حرمت اور ہر قربانی بقائے اسلام کا استعارہ ہے۔ اسی لیے صدیوں کا فاصلہ گزر جانے کے باوجود آپ کی شخصیت آج بھی اہلِ محبت کے دلوں میں زندہ، اہلِ عقیدت کی نگاہوں میں محترم اور تاریخِ اسلام کے صفحات پر آبِ زر سے مرقوم دکھائی دیتی ہے۔

زمین ہند ترے آنے سے ہوئی مسعود
ہے ذرے ذرے کو اقرار سید سالار (فریدی)

ولادت باسعادت

سلطان الشہداء مظہرِ عیسیٰ، حضرت سیدنا سالار مسعود غازی علیہ الرحمۃ ۲۱/شعبان المعظم ۴۰۵ھ، بروز یکشنبہ، مطابق ۱۵/فروری ۱۰۱۵ء، بوقتِ صبح صادق، بساعت سعید اجمیرِ معلّیٰ میں جلوہ آرا ہوئے۔ بزمِ گیتی میں تشریف لاتے ہی حسن یوسفی، ملاحت ابراہیمی اور نورِ محمدی اس آفتابِ ولایت کے چہرۂ انور سے نمایاں تھا۔

جناب اکبر وارثی نے سنِ ولادت یوں نظم کیا ہے:

ہوئے پیدا جو غازی مسعود
ظلمتِ جہل ہوگئی کافور
اکبر وارثی پہ ہے الہام
لکھ ولادت کا سال مطلع نور (۴۰۵ھ)

(انوارِ مسعودی: صفحہ ۱۵۱، ناشر: مسعودیہ رضویہ دارالتحقیق، درگاہ شریف، بہرائچ)

آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت بی بی ستر معلّٰی علیہا الرحمۃ (ہمشیرۂ حضرت سلطان محمود غزنوی) کا بیان ہے کہ دوران حمل مجھے جس چیز کے کھانے کی تمنا ہوتی، وہ فوراً ہی من جانبِ اللہ مہیا ہو جاتی، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدۂ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمتِ خاص سے نوازا تھا۔

جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے شکمِ مادر میں تھے، حضرت مریم جس چیز کا ارادہ فرماتیں، وہ اسی وقت مہیا ہو جاتی، اور آپ جس

پھل دار درخت کے پاس تشریف لے جاتیں، اس کی ڈالیاں خود بخود جھک جاتیں۔

(مرآۃِ مسعودی، نسخۂ جھوجھ، صفحہ ۴۸، مصنف: شیخ عبدالرحمن چشتی علوی، ترجمہ و تحقیق: زبیر احمد گلزاری، سنِ اشاعت: جولائی ۲۰۱۱ء)

نام ونسب اور والدین

اسم مبارک سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ ہے۔ آپ مولائے کائنات مولیٰ علی کرم اللّٰہ وجہہ الکریم کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کی نسل پاک سے ہیں۔ والد محترم کا اسم پاک سالار شاہو ہے اور والدہ ماجدہ کا اسم پاک ستر معلے ہے جو سلطان ناصر الدین سبکتگین کی شہزادی اور سلطان محمود غزنوی کی بہن ہیں۔ آپ کا نانہالی تعلق سلطان محمود غزنوی کے خاندان سے تھا۔ عباس خاں

شیروانی نے اپنی کتاب حیات مسعودی میں اس پر تاریخی بحث کی ہے۔ ان کے شوہر حضرت سالار شاہو محمودی فوج کے ایک مشہور سردار تھے۔ صاحب تاریخ مسعودی لکھتے ہیں ۳۸۷ھ مطابق ۹۹۷ء میں امیر سبکتگین انتقال کر گئے، اس وقت اس کی چھ اولادیں تھیں جن میں چار لڑکے امیر اسماعیل، امیر یوسف، امیر نصر و سلطان محمود اور دو لڑکیاں جن میں سے ایک تو علی بن مامون شاہ خوارزم متوفی ۴۰۷ھ مطابق ۱۰۱۶ء کے نکاح میں آئی۔ دوسری لڑکی بی بی ستر معلی تھیں جن کا نکاح حضرت سید سالار شاہو غازی بن عطاء اللہ غازی سے ہوا۔

شجرہ نسب سید سالار مسعود غازی یہ ہے: سید سالار مسعود غازی بن سالار شاہو غازی بن عطاء اللہ غازی بن طاہر غازی بن طیب غازی بن محمد اشرف غازی بن عمر غازی بن ملک آصف غازی بن بطل غازی بن علی عبد المنان غازی بن محمد بن حنفیہ

غازی بن مولائے کائنات مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم و رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

(تاریخِ غازیان بہرائچ: صفحہ ۸۷، مطبوعہ، صراط پبلیکیشنز، مرادآباد)

مظہرِ عیسیٰ کی پہلی مشہور کرامت

حضرت غازی علیہ الرحمہ کی سب سے پہلی کرامت جو مشہور ہوئی، وہ یہ ہے کہ موضع نگرور، ضلع بہرائچ میں نند مہراہیر جونگرمل کا ایک چرواہا تھا۔ اس کی شادی ہوئے کئی برس گزر چکے تھے، لیکن اس کے یہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس کی عورت جاسو کی گود ایک زمانہ تک خالی رہی۔

پاس پڑوس کے لوگ اسے بانجھ پن کا طعنہ دینے لگے۔ لاولدی کا غم، مزید لوگوں کے طعنوں کے باعث زخم پر نمک کا کام کرنے لگا۔ وہ ہمیشہ غمگین اور رنجیدہ رہتی تھی۔

ایک روز اس کی ساس بھی طعنہ دیتے ہوئے کہنے لگی" :تو منحوس ہے، میرے گھر سے دور ہو جا۔ تو بانجھ ہے، تیری کوکھ سے کوئی بچہ جنم لے، یہ ناممکن ہے۔ میں اپنے لڑکے کی شادی دوسری جگہ کر دوں گی، تجھ سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔"

عورت کے دل پر یہ بات سخت چوٹ بن کر لگی۔ فوراً وہ آنکھوں میں آنسو بھرے گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ تین چار میل چلنے کے بعد حضرت غازی علیہ الرحمہ کے مزار کے قریب تھک کر بیٹھ گئی۔

خادمانِ درگاہ، سید حاجی احمد اور سید حاجی محمد نے اسے بہت زیادہ رنجیدہ اور غم

زدہ دیکھ کر سبب پوچھا، تو اس نے رو رو کر اپنی حالتِ زار بیان کی۔

آپ حضرات نے فرمایا" :صبر و تحمل سے کام لو۔ یہ ایک عارفِ ربانی کا آستانہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں شہید ہوئے ہیں۔ ان کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بلند ہے۔ اپنا دامن پھیلا کر اپنی مراد مانگو، ان شاء اللہ !آپ کی دعا کی برکت سے تیرے دل کی کلی کھل جائے گی اور تیری گود بھر جائے گی۔

جاسو نے اپنی بھیگی پلکوں کے ساتھ، صدقِ دل سے حضرت غازی علیہ الرحمہ کی دہائی دیتے ہوئے اپنی مراد مانگنی شروع کر دی۔ اتنے میں اس کا شوہر نند مہر جسے واقعی اپنی بیوی سے دلی محبت تھی، اسے ڈھونڈھتے ہوئے آستانۂ غازی پر آپہنچا۔ بیوی سے دکھ بھری داستان سننے کے بعد اس نے بھی دعا کی اور منت مانی، پھر دونوں گھر لوٹ آئے۔

رب تعالیٰ کا فضل ہوا، اسی رات عورت امید سے ہو گئی اور نو ماہ بعد ایک بچہ پیدا ہوا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ مالک نے ہمیں جو بچہ عطا فرمایا ہے، وہ حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ کی دعا کی برکت سے عطا فرمایا ہے۔

اسی تاریخ سے یہ دونوں میاں بیوی بصد عقیدت ہر شبِ دوشنبہ آستانۂ غازی پر حاضر ہوتے، عقیدت کے پھول پیش کرتے۔ مشہور ہے کہ انہی لوگوں نے گائے کے دودھ اور چونے کے گارے سے حضرت غازی علیہ الرحمہ کا مزار پختہ بنایا، اور یہ لوگ خوشی کے مارے چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے حضرت غازی علیہ الرحمہ کی اس کرامت کا چرچا کرتے رہتے تھے۔

یہ کرامت اس قدر مشہور ہوئی کہ جو بھی کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا، آستانۂ

غازی پر حاضر ہوکر استمداد کرتا۔ اس طرح روز بروز زائرین کا ہجوم بڑھتا گیا۔

(انوارِ مسعودی: صفحہ ۲۶۱، ناشر: مسعودیہ رضویہ دارالتحقیق، درگاہ شریف، بہرائچ)

یہ وہ در ہے جہاں اندھے کو آنکھ ملتی ہے

بیان کیا جاتا ہے کہ انہی ابتدائی ایام میں خاندانِ سادات سے تعلق رکھنے والے دو بزرگ، سید رکن الدین اور سید جمال الدین، ولایت ترک کرکے قصبہ ردولی، ضلع فیض آباد (بارہ بنکی) میں سکونت اختیار کر چکے تھے۔

سید رکن الدین صاحب کے دو صاحبزادے تھے، جبکہ سید جمال الدین صاحب کے یہاں صرف ایک صاحبزادی تھیں، جن کی عمر بارہ سال ہو چکی تھی۔ ان کا نام زہرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے پناہ حسن و جمال سے آراستہ فرمایا تھا۔ ان کا حسین و جمیل چہرہ قدرت کی صناعی کا ایک عجیب و غریب نمونہ تھا، لیکن شومیِ قسمت کہ زہرہ نامی یہ لڑکی، بایں حسن و جمال، بینائی سے محروم تھی۔ انہیں خود بھی نابینائی کا غم ستاتا رہتا اور گھر والوں کو بھی بڑا ملال اور قلق رہتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا گھر میں بہت کچھ تھا۔ دنیاوی آرام و آسائش میں کسی طرح کی کوئی کمی نہ تھی۔ زہرہ ایک ہونہار لڑکی تھیں۔ گھر کے سبھی افراد انہیں حد درجہ پیار کرتے اور محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ ان کی ادنیٰ تکلیف بھی کسی کو گوارا نہ تھی۔ سب ہمیشہ ان کا ناز اٹھانے کے لیے تیار رہتے، لیکن جب والدین اور اہلِ خاندان کو ان کی معذوری اور مجبوری کا احساس ہوتا تو سارے عیش و آرام بے معنی ہو کر رہ جاتے، دل تڑپ اٹھتا اور نگاہوں تلے بے بسی اور مایوسی کا اندھیرا چھا جاتا۔

دنیاوی طریقۂ علاج سے زہرہ کو بینائی ملنا ممکن نہ تھا، صرف ارحم الراحمین خدا کی بارگاہ سے امید وابستہ تھی۔

حسنِ اتفاق کہیے کہ انہی دنوں کچھ زائرین آستانۂ غازی علیہ الرحمہ پر حاضری دے کر شاداں و فرحاں لوٹے۔ انہوں نے زہرہ کے والدین اور گھر والوں سے حضرت غازی علیہ الرحمہ کے روحانی تصرفات، فیوض و برکات، فضل و کرامات کے تذکرے بڑے ہی والہانہ انداز میں کیے، جس سے ان کے دلوں میں حضرت غازی کی عقیدت و محبت موجزن ہو گئی اور یاس و ناامیدی کے ماحول میں امید کی ایک کرن جگمگاتی ہوئی نظر آئی۔

سید رکن الدین اور سید جمال الدین صاحبان نے دل میں یہ نیت کر لی کہ اگر حضرت غازی علیہ الرحمہ کرم فرما دیں اور دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری بچی کو بینا کر دے، تو ہم بھی ان کے آستانہ پر حاضر ہو کر نذر پیش کریں گے اور ان کے روضۂ مبارک کی تعمیر کرائیں گے۔

گھر کے اندر صبح و شام حضرت غازی علیہ الرحمہ کا تذکرہ چلتا رہتا۔ بی بی زہرہ بھی سنتیں اور محظوظ ہوتیں۔ دل ہی دل میں بی بی زہرہ نے بھی منت مانی اور نیت کر لی کہ اگر حضرت غازی علیہ الرحمہ کا روحانی فیضان ہو جائے اور میں آنکھوں سے دیکھنے لگوں تو اپنی تمام عمر حضرت کے آستانہ پر جاروب کشی کرتے ہوئے گزار دوں گی۔

اسی امید پر بی بی زہرہ کو حضرت غازی علیہ الرحمہ سے غائبانہ عقیدت اور سچی محبت پیدا ہو گئی۔ دھیرے دھیرے اس محبت نے عشقِ کامل کا رنگ اختیار کر لیا۔ اب بی بی زہرہ رات دن خیالِ محبوب اور یادِ جاناں میں محو رہتیں اور یار کے دیدار کی

حسرت لیے گوشۂ تنہائی میں بیٹھی رہتیں۔

آخر ایک دن تصورِ جاناں کیے ہوئے خلوت نشین تھیں کہ انہیں ایسا محسوس ہوا کہ حضرت سید سالار مسعود غازی سامنے کھڑے ہیں اور فرمارہے ہیں" :زہرہ! دیکھتی کیوں نہیں؟"

صدائے غازی کانوں میں گونجنے لگی، لیکن آنکھوں میں روشنی کہاں جو جلوۂ جاناں کو دیکھ سکیں۔ بے چین ہوگئیں، آنکھوں سے اشکوں کے گہر بکھرنے لگے۔ دل گرفتہ ہوکر خدا کی بارگاہ میں عاجزانہ التجا کرنے لگیں:

"اے میرے خالق ومالک! تو ارحم الراحمین ہے۔ اگر میں محبتِ غازی میں سچی ہوں تو مجھے آنکھ عطا فرمادے، تاکہ میں غازی کا جلوۂ زیبا اپنی ظاہری نگاہوں سے دیکھ سکوں، ورنہ مجھے موت دے دے۔ دیدارِ یار سے محرومی کا غم اب سہا نہیں جاتا۔"

دردِ دل کی سوزش نے وہ اثر دکھایا کہ فوراً آنکھوں میں روشنی آگئی۔

آنکھ اٹھا کر دیکھا تو واقعی حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ تمام تر رعنائیوں کے ساتھ سامنے کھڑے ہیں اور ان کا چہرۂ انور آفتاب و مہتاب کی طرح روشن اور درخشندہ ہے۔

کام آخر جذبۂ بے اختیار آہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا، ان کو پیار آہی گیا۔

وارفتگیِ شوق میں بی بی زہرہ آگے بڑھیں، مگر فوراً ہی حضرت غازی کا جلوۂ زیبا نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ سارا سکون و قرار جاتا رہا، آتشِ شوق اور بھڑک اٹھی۔ آنکھوں میں روشنی ملنے کے بعد بھی نگاہوں میں ایک بے کیف سماں چھا گیا۔ زار و

قطار رونے لگیں اور زبانِ حال سے کہنے لگیں:

کیوں رخ کو چھپا بیٹھے، کر کے مجھے دیوانہ

بی بی زہرہ کو بینائی ملنے کے بعد اہلِ خانہ بہت خوش ہوئے۔ ایک دیرینہ غم سے نجات مل گئی، لیکن بی بی زہرہ کے دل پر غم کی گھٹا چھا گئی۔ حضرت غازی کا جلوۂ زیبا دیکھ لینے کے بعد دل میں شوق کا ایک ہنگامہ برپا ہو چکا تھا۔ لذتِ نظارگی یاد کرتیں اور تڑپ اٹھتیں۔

ایک شب خیالِ جاناں میں گم تھیں کہ آنکھ لگ گئی۔ خواب میں حضرت غازی تشریف لائے اور فرمایا:

"زہرہ! اگر تم میری محبت میں سچی ہو تو بہرائچ آجاؤ۔"

خواب سے بیدار ہوئیں تو بہرائچ پہنچنے کے لیے بے قرار ہو گئیں۔ والدین سے اپنا خواب بیان کیا، نیز تعمیرِ روضہ کی نیت اور منت بھی یاد دلائی، پھر پُر شوق انداز میں بہرائچ جانے کی اجازت طلب کی۔ اجازت مل گئی۔ سید جمال الدین نے بخوشی پورے انتظام کے ساتھ بی بی زہرہ کو اپنے بھائی کے لڑکے اور ان کے ماموں کے ہمراہ بہرائچ بھیج دیا۔

بی بی زہرہ بصد عقیدت و احترام آستانۂ غازی علیہ الرحمہ پر حاضر ہوئیں۔ بچشمِ تر مزارِ پاک کا بوسہ لیا، عقیدت و محبت کے ہار اور پھول پیش کیے۔ صاحبِ آستانہ نے بھی اپنی اس عاشقۂ صادقہ کی حاضری کو اس انداز میں قبول فرمایا کہ اپنے فیضان سے مالا مال فرما کر ان کے سینے کو معرفت کے نور سے معمور کر دیا۔ ایک محبوب نے اپنی محبہ کو محبت کا انمول تحفہ عطا کر کے شاد کام کر دیا۔

مزارِ غازی کی زیارت سے فراغت کے بعد بی بی زہرہ نے اپنی منت پوری کرنے کی غرض سے تعمیرات شروع کیں۔ پہلے حضرت غازی علیہ الرحمہ کا روضہ تعمیر کرایا، اس کے بعد حضرت سیف الدین سرخرو سالار علیہ الرحمہ کا مقبرہ اور مقبرۂ گنجِ شہیداں تعمیر کرایا۔

حضرت غازی علیہ الرحمہ کی مزارِ شریف کے قریب، جانبِ مغرب، ایک مقبرہ بنوا کر وصیت کی کہ میری آخری آرام گاہ یہی ہے، مرنے کے بعد مجھے اسی میں دفن کیا جائے۔

بالآخر بی بی زہرہ نے اپنی زندگی کے دن پورے کرنے کے بعد اسی درِ جاناں پر اپنی جان نچھاور کر دی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ۱۴/رجب، بروز دوشنبہ، بحسابِ ہندوستان یکم جیٹھ، اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرمائی اور حسبِ وصیت اپنے بنائے ہوئے مقبرے کے اندر دفن کی گئیں۔

حضرت غازی علیہ الرحمہ کی ذات سے سچی محبت اور گہری وابستگی ہی کا نتیجہ ہے کہ جس تاریخ، دن اور مہینے میں حضرت غازی نے جامِ شہادت نوش فرمایا تھا، اسی تاریخ، دن اور مہینے میں بی بی زہرہ نے بھی وصال فرمایا۔ آپ کے چچا زاد بھائی اور ماموں نے بھی درِ غازی پر مرنا پسند کیا، اور وہ آپ کی مزار کے مغرب جانب مدفون ہیں۔

(انوارِ مسعودی: صفحہ ۲۶۲، ناشر: مسعودیہ رضویہ دارالتحقیق، درگاہ شریف، بہرائچ)

ترے مریضوں کو حاجت نہیں دواؤں کی
نظر ہے شافئِ بیمار، سید سالار (فریدی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بشکلِ کرامت

آستانۂ سرکار سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ کی سب سے نمایاں کرامت، جو آج بھی نہایت مشہور و معروف ہے، برص اور کوڑھ کے مریضوں کی شفایابی ہے۔ عرس اور میلے کے ایام میں بے شمار مریض بہرائچ شریف پہنچتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے قلعۂ خرد کے باہر ایک حوض بنا ہوا ہے۔

جب مزارِ مبارک کو مجاور صاحبان غسل دیتے ہیں تو وہ پانی درگاہِ شریف سے باہر نالیوں کے ذریعے اسی حوض میں پہنچتا ہے، جہاں بہت سے کوڑھی اور برص کے مریض اس شفابخش پانی کے انتظار میں پڑے رہتے ہیں۔

جوں ہی اس حوض میں غسلِ شریف کا پانی پہنچتا ہے، فوراً تمام کوڑھی اور برص کے مریض "یا سرکار غازی " کا نعرہ لگاتے ہوئے اس میں کود پڑتے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ ہر سال متعدّد مریض اپنے لاعلاج مرض سے چھٹکارا پاکر نئی زندگی حاصل کرتے ہیں۔

جس کی عقیدت و محبت جس معیار کی ہوتی ہے، فیضانِ غازی اس پر اتنی ہی سرعت سے اپنا اثر دکھاتا ہے۔ پیپ اور مواد بہتی ہوئی انگلیوں سے چشمِ زدن میں نئی انگلیاں اور ناخن برآمد ہونا دیارِ غازی کی ایک عام کرامت ہے۔

ہر سال سات (۷) کوڑھی بالکل اچھے ہو جاتے ہیں، سات (۷) اندھوں کو بینائی حاصل ہوتی ہے، اور سات (۷) بانجھ عورتیں صاحبِ اولاد بن جاتی ہیں۔ یہ فیض آپ کا ہر سال جاری رہتا ہے۔ جس کا جی چاہے، وہ آج بھی بہرائچ شریف جاکر

اپنی آنکھوں سے یہ زندہ کرشمہ دیکھ سکتا ہے۔

(سوانح مسعود غازی علیہ الرحمہ: صفحہ ۹۶، مؤلف، مولانا ثابت علی برہانی مصباحی)

تمھارا دستِ کرم مظہرِ یدِ عیسیٰ

مٹا ہے جس سے ہر آزار، سید سالار (فریدی)

رشحات قلم:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی (بچباری آباد پور کٹیہار)

استاذ و مفتی: جامعہ مصباح العلوم کدمتلی (مالدہ بنگال)

۳/جولائی ۲۰۲۶ء بروز جمعہ ۱۷/محرم الحرام ۱۴۴۸ھ

ہر محلے میں کامیاب مکتب کا قیام: وقت کی اہم ضرورت

دینِ اسلام کی بقا اور نئی نسل کی صحیح تربیت کے لیے دینی تعلیم کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آج کے اس دورِ پرفتن میں، جہاں دنیاوی کامیابیوں کی دوڑ میں اخلاقی اقدار پسِ پشت ڈالی جا رہی ہیں، وہاں ہر محلے میں ایک کامیاب مکتب کا قیام وقت کی اہم ترین ضرورت بن چکا ہے۔

عرسِ عزیزی کے موقع پر مفکرِ اسلام علامہ خالد ایوب شیرانی مصباحی صاحب (راجستھان) نے اس پہلو کو نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا کہ بچوں کو دین سے آراستہ کرنے کے لیے ہر محلے میں ایک متحرک و مضبوط اور فعال مکتب کا قیام ناگزیر ہے۔ یہ پیغام نہ صرف ہماری ذمہ داریوں کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ ہمیں اپنے دینی و معاشرتی فرائض پر غور و فکر کی دعوت بھی دیتا ہے۔

مکتب کیا ہے؟

ہمارے معاشرے میں مکتب سے مراد وہ چھوٹا دینی تعلیمی مرکز ہے جو کسی محلے، بستی یا گاؤں میں قائم ہوتا ہے، جہاں مقامی بچے اپنے گھروں سے آکر دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپس اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ ایسے مراکز عموماً ابتدائی دینی تعلیم، قرآنِ کریم کی قراءت، اسلامی آداب اور اخلاقی تربیت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

یہی چھوٹے چھوٹے مراکز در حقیقت ملتِ اسلامیہ کی دینی بنیادوں کو مضبوط و

مستحکم بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مکتب کی جمع "مکاتب " ہے اور یہی مکاتب معاشرے میں دینی شعور کے فروغ اور نئی نسل کی اسلامی تربیت کا مؤثر ذریعہ ہیں۔

موجودہ دور میں مکاتب کی اہمیت

آج کا دور فتنوں اور آزمائشوں کا دور ہے۔ انٹرنیٹ، سوشل میڈیا اور دیگر جدید ذرائع کے باعث بچوں کے اذہان و افکار اور کردار پر مختلف قسم کے اثرات مرتب ہو رہے ہیں، جن میں بہت سے ایسے ہیں جو ان کے دین و ایمان اور اخلاقی تربیت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں مکاتب دین کے مضبوط قلعوں کی حیثیت رکھتے ہیں، جہاں بچوں کو نہ صرف دینی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے بلکہ انہیں اسلامی طرزِ زندگی کے مطابق تربیت بھی فراہم کی جاتی ہے۔

محلے کے مکاتب کا کردار

محلے کی سطح پر قائم ہونے والے مکاتب کا کردار نہایت اہم اور مؤثر ہے۔ یہ صرف بچوں کو دینی تعلیم فراہم نہیں کرتے بلکہ والدین اور پورے معاشرے کو دینداری اور دینی شعور کی طرف راغب کرنے کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔

اگر ہر محلے میں ایک کامیاب مکتب قائم ہو جائے تو اس کے مثبت اثرات نہ صرف نئی نسل بلکہ پورے معاشرے پر مرتب ہوں گے۔ جرائم میں کمی، اخلاقی اقدار کا فروغ اور دینی ماحول کی تشکیل جیسے مقاصد مکاتب ہی کے ذریعے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

مکتب کا بنیادی نصاب اور اہم ذمہ داریاں

ایک کامیاب مکتب صرف ناظرۂ قرآن پڑھانے تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد و ہدف بچوں کی ہمہ جہت دینی و اخلاقی تربیت بھی ہوتا ہے۔ اس لیے مکاتب میں درج ذیل امور پر خصوصی توجہ دی جانی چاہیے:

عقائدِ اہلِ سنت

بچوں کے دلوں میں عقائدِ اہلِ سنت کی صحیح سمجھ پیدا کی جائے تاکہ وہ گمراہ کن افکار و نظریات اور باطل خیالات سے محفوظ رہ سکیں۔

قرآنِ کریم

قرآنِ کریم کو تجوید و مخارج کے ساتھ درست پڑھانے کا اہتمام کیا جائے، کیونکہ قرآنِ کریم کی صحیح تعلیم ہی دینی زندگی کی بنیاد و اساس ہے۔

ضروری مسائل

ضروری دینی مسائل کی تعلیم طہارت، نماز، روزہ، والدین کے حقوق، حلال و حرام اور روزمرہ زندگی سے متعلق بنیادی شرعی مسائل بچوں کو آسان اور عام فہم انداز میں سکھائے جائیں۔

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

بچوں کے سامنے حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت، اخلاق، عادات اور تعلیمات کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ ان کے دلوں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباعِ سنت کا جذبہ پروان چڑھے۔

اخلاق و کردار کی تربیت

ادب، احترام، حسنِ معاشرت اور خدمتِ خلق جیسی اسلامی اقدار کو بچوں کی عملی زندگی کا حصہ بنانے کی کوشش کی جائے، کیونکہ تعلیم کے ساتھ کردار سازی بھی مکتب کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

کامیاب مکتب کے لیے ضروری اقدامات

اساتذہ کی تقرری

مکاتب کے لیے ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو دینی علوم میں مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ بچوں کی نفسیات اور تربیتی تقاضوں سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔

والدین کا تعاون

مکتب کی کامیابی کے لیے والدین کا تعاون بھی نہایت ضروری ہے، کیونکہ گھر اور مکتب کی مشترکہ کوشش ہی بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنتی ہے۔ چنانچہ جب بچہ صبح مکتب سے گھر واپس آئے تو والدین کو چاہیے کہ اس کے سبق کا اعادہ کروائیں، اسے باقاعدگی سے پڑھنے کی ترغیب دیں، اور بعدِ ظہر لکھنے کی مشق بھی کروائیں۔

اس طرح والدین کی نگرانی، رہنمائی اور حوصلہ افزائی سے بچے کی تعلیمی صلاحیتوں میں اضافہ ہوگا اور وہ مکتب کے اسباق کو بہتر انداز میں یاد رکھ سکے گا۔

الحاصل: اگر ہر محلے میں ایک کامیاب مکتب قائم کیا جائے تو یہ نہ صرف دینی

تعلیم کے فروغ کا مؤثر ذریعہ بنے گا بلکہ معاشرتی برائیوں کے خاتمے، اسلامی اقدار کے استحکام اور نئی نسل کی صحیح تربیت میں بھی اہم کردار ادا کرے گا۔

وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اس عظیم دینی ضرورت کو سمجھیں اور اپنی استطاعت کے مطابق اس میدان میں عملی کردار ادا کریں، تاکہ آنے والی نسلیں دینِ اسلام کی صحیح تعلیمات سے آراستہ ہوں اور ملتِ اسلامیہ کا روشن مستقبل بن سکیں۔

اظہار خیال:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آبادپور، کٹیہار (بہار)

موجودہ دور اور بچوں کی نعت خوانی: کتنا مفید کتنا مضر

یہ مسلم ہے کہ نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھنا سننا عمدہ کار عبادت ہے چوں کہ نعت خوانی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی جان اور دین کی پہچان ہے نعت پاک ہم سب کے عشق وعقیدت کا قولی عملی اظہار ہے۔

ایک موقع پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعت خوانی کی بنیاد پر پیغمبر اسلام معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو مرتبہ جنتی ہونے کی بشارت دی۔۔ نیز حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے سرور دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک قصیدہ پڑھا۔۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر اپنی چادر مبارک اتار کر حضرت کعب کو دے دی۔

مگر آج کا المیہ کچھ اس طرح ہو گیا ہے کہ ہمارے جلسوں میں مدعو کیے جانے والے اکثر نعت خواں ایسے پائے جاتے ہیں جو تعلیم سے خالی محض بے بہرہ ہوتے ہیں (جن کو تعلیم وتعلم سے کوئی سروکار نہیں) اور موجودہ دور کے طلباء انہیں پیشہ ور نعت خواں کو سن سن کر اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں اور اپنی تعلیم کو ترک کر کے انہیں جیسے بننے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

جیسی ہی تھوڑا بہت نعت پڑھنے آتا ہے چند جگہوں سے مدعو کیے جاتے ہی تعلیم (پڑھائی) کو ترک کر دیتے ہیں اور فقط پیشہ ورانہ زندگی بسر کرنے لگ جاتے ہیں۔

اتنا ہی نہیں؛ طلباء کو بے بہرہ کرنے میں اسٹیج پر بیٹھے واہ وائی کرنے والے پیشہ ور

مقررین کا بھی ہاتھ ہے اگر بچوں کی نعت خوانی پر حوصلہ افزائی نہ کی جاتی تو وہ نعت خواں بننے کے بجائے اپنی تعلیم و تعلم پر توجہ دیتا۔

مہربانم!

آپ اپنے اوقات حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا دین سیکھنے میں صرف کریں، یہ پیسے خور گانے کے طرز پر بکواسات کرنے والے آپ کے پیر کی جوتی کے برابر بھی نہیں ہے۔

رب غافر قدیر امت مسلمہ کی حفاظت و صیانت عطا فرمائے، صحیح عقل و فہم عطا کرے۔آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ افضل الصلاۃ والتسلیم

ازقلم:
محمد اشفاق عالم امجدی علیمی
بچباری آباد پور کٹیہار (بہار)
المتخصص فی الفقہ الحنفی

انسان زندہ لاش ہے تعلیم کے بغیر

خالق کائنات نے انسان کو شرفِ آدمیت، قوتِ فکر، نورِ عقل اور تاجِ خلافت سے نوازا۔ اسی انسان کی وجہ سے تہذیبوں کو جلا ملی، علوم نے فروغ پایا اور دنیا کی رونقیں قائم ہوئیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ انسان اپنی اصل عظمت اس وقت بھی برقرار رکھتا ہے جب اس کے اندر علم کا نور بجھ جائے؟ ہرگز نہیں۔ علم کے بغیر انسان ایسا ہی ہے جیسے جسم روح کے بغیر—چلتا پھرتا مگر بے مقصد، سانس لیتا مگر بے روح، زندہ مگر حقیقت میں مردہ۔

اسی لیے کہا گیا:

"العلم حياة"

علم زندگی ہے۔

مزید فرمایا گیا:

"من صار بالعلم حيا لا يموت أبداً"

جو شخص علم سے زندہ ہو گیا وہ کبھی نہیں مرے گا۔

علم زندگی کا چراغ، روح کا تنفس، انسانیت کی بنیاد اور کردار کی تعمیری قوت ہے۔ یہ وہ نور ہے جو دلوں کو زندہ کرتا ہے، ذہنوں کو بیدار کرتا ہے، اور زندگی کی گھٹن زدہ فضا میں تازگی کی ہوا چلاتا ہے۔

فرمایا گیا ہے کہ

"العلم خير من العبادة"

یعنی علم عبادت سے افضل ہے، کیونکہ عبادت تبھی صحیح طور پر ادا کی جا سکتی ہے جب اس کی صحیح معلومات اور علم حاصل ہو۔ یوں علم مرکز و محور ہے۔

علم وہ دولت ہے جو بانٹنے سے بڑھتی ہے، جس پر نہ چوری کا خطرہ ہے نہ زوال کا اندیشہ۔ دنیا کی ہر شے زیادہ ہو کر ارزاں ہو جاتی ہے، مگر علم کی زیادتی صاحبِ علم کے مرتبے کو مزید بلند کرتی ہے۔

تعلیم کے بغیر انسان کی حالت ایسی ہے جیسے آنکھیں ہوں مگر روشنی نہ ہو، دل ہو مگر احساس نہ ہو، کان ہوں مگر فہم نہ ہو، زبان ہو مگر حکمت نہ ہو، قدم ہوں مگر سمت نہ ہو۔ وہ صرف حرکت کرتا ہے، مگر حقیقت تک نہیں پہنچتا۔ وہ دیکھتا ہے مگر پہچان نہیں رکھتا۔

وہ زمین پر چلتا ہے مگر اندھیرے میں ڈگمگاتا رہتا ہے۔ ایسا انسان نہ اپنے لیے مفید ہوتا ہے، نہ معاشرے کے لیے، نہ قوم کے لیے وہ بالآخر حقیقتاً زندہ لاش بن جاتا ہے۔

جہالت فرد کو تباہ کرتی ہے، جہاں علم نہ ہو وہاں فکر مر جاتی ہے، عقل ساکت ہو جاتی ہے، کردار ٹوٹ جاتا ہے، نسلیں گونگی اور اندھی ہو جاتی ہیں، خود اعتمادی خاک ہو جاتی ہے، اور تہذیب کا سانس رک جاتا ہے۔

اسی حقیقت کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منسوب قول میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"ليس الجمال بأثواب تزيننا

إن الجمال جمال العلم والأدب"

خوبصورتی کپڑوں کی زینت سے نہیں، بلکہ اصل خوبصورتی علم اور ادب کی خوبصورتی ہے۔

اور مزید فرمایا:

"ليس اليتيم الذی قد مات والده

إن اليتيم يتيم العلم والحسب"

یتیم وہ نہیں ہے جس کا باپ مرجائے بلکہ اصل یتیم وہ ہے جو علم اور حسب سے محروم ہو جائے۔

دنیا کی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ آئے اور مٹ گئے، ان کا نام تک باقی نہیں رہا؛ مگر جنہوں نے علم کا دامن تھاما وہ آج بھی زندہ ہیں، کیونکہ علم کبھی مرنے نہیں دیتا۔

علم آنے سے مہارت پیدا ہوتی ہے، سوچ پختہ ہوتی ہے، کردار نکھرتا ہے، اعتماد بڑھتا ہے، دل روشن ہوتا ہے، ذہن وسیع ہوتا ہے، اور منزلیں آسان ہو سکتی ہیں۔ علم تلوار سے زیادہ طاقتور ہتھیار ہے تلوار زخم دیتی ہے، علم زمانے کو بدل دیتا ہے۔

علم کے بغیر قومیں اور نسلیں چراگاہ بن جاتی ہیں۔ جہالت صرف ایک کمزوری نہیں بلکہ ایسی تاریکی ہے جو نسلوں کی آنکھوں سے بصیرت چھین لیتی ہے۔ جاہل قوم لاکھوں کی آبادی رکھتی ہو تب بھی وہ ایک خاموش قبرستان ہوتی ہے—جہاں نہ خواب جاگتے ہیں، نہ سوچ سفر کرتی ہے، نہ رفعتیں ملتی ہیں، نہ عزت۔

علم کے بغیر انسان دوسروں کا غلام بن جاتا ہے۔ وہ دوسروں کے خیالوں کا

پیروکار، دوسروں کی تہذیب کا محتاج، دوسروں کے اشاروں کا محکوم بن جاتا ہے۔

آج معلومات بہت ہیں مگر علم کم ہے۔ ہاتھ میں موبائل ہے مگر ذہن خالی، اسکرین روشن ہے مگر دل اندھیرا۔ معلومات سمندر کی طرح بہہ رہی ہیں مگر تعلیم کا نور ماند پڑتا جا رہا ہے۔ معلومات ذہن کو پُر کرتی ہیں، مگر علم روح کو زندہ کرتا ہے۔ معلومات ہاتھ میں موبائل دیتی ہیں، مگر علم ہاتھ میں انقلاب دیتا ہے

تعلیم صرف لکھنا پڑھنا نہیں سکھاتی بلکہ جینے کا سلیقہ دیتی ہے۔ علم عقل کو روشنی بخشتا ہے، قلب کو نور دیتا ہے، کردار کو مضبوط کرتا ہے، اور زبان کو حکمت عطا کرتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علم حاصل کرنے کے بنیادی اصول یوں بیان فرمائے:

"اخی لن تنال العلم إلا بستة، سانبک عن تفصیلها ببیان"

"ذکاء، حرص، اجتهاد، بلغة، طول زمان، وإرشاد استاذ"

اے میرے بھائی! علم چھ چیزوں کے بغیر حاصل نہیں کرستے جس کو میں تفصیل سے بیان کردیتا ہوں

(۱) ذہانت

(۲) شوق

(۳) محنت

(۴) روزی ووسائل

(۵) استاد کی رہنمائی

(٦) وقت

علم کی روحانی تاثیر کو اس شعر نے حقیقت کے آئینے میں واضح کر دیا ہے:

"العلم يحيى قلوب الميت كما

تحيا البلاد اذا مامسها المطر"

جس طرح بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے، اسی طرح علم مردہ دلوں کو زندہ کر دیتا ہے۔

المختصر حقیقت یہی ہے کہ علم وہ نور ہے جس کے بغیر انسان ظلمت میں بھٹکتا ہے، نسلیں بے سمت ہو جاتی ہیں، اور تہذیبیں مٹ جاتی ہیں۔ جس دل میں علم اتر جائے وہ زندہ ہو جاتا ہے، جس قوم میں علم آ جائے وہ بیدار ہو جاتی ہے، اور جس فکر سے علم پھوٹے وہ زمانے کا رخ موڑ دیتی ہے۔

خامہ فرسائی:
محمد اشفاق عالم امجدی علیمی
بچباری، آبادپور، کٹیہار، بہار
فاضل: جامعہ علیمیہ جمداشاہی بستی

انسان کہاں کھو گیا؟

تاریخِ انسانی کا مطالعہ اس حقیقت کا شاہد ہے کہ ہر عہد اپنے ساتھ تہذیبی انقلاب، فکری ارتقا، سائنسی انکشافات اور تمدنی تغیرات کی نئی داستانیں رقم کرتا ہے۔ انسان نے عقلِ خداداد اور قوتِ جستجو کے سہارے کائنات کے بے شمار اسرار کو مسخر کیا، فطرت کی پوشیدہ قوتوں کو اپنے تصرف میں لایا، اور مادی ترقی کے ایسے حیرت انگیز منازل طے کیے کہ صدیوں کے خواب حقیقت کا روپ دھار گئے۔ بظاہر تہذیب اپنے عروج کی بلند ترین چوٹی پر کھڑی ہے، تمدن اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے، اور انسانی ذہانت اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا ایسا مظاہرہ کر رہی ہے جس پر دنیا انگشت بدنداں ہے۔

لیکن اسی منظرنامے کا ایک دوسرا رخ بھی ہے، جو نہایت فکر انگیز، دردناک اور اضطراب خیز ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا مادی فتوحات کے اس سیلاب نے انسان کے باطن کو بھی اسی قدر منور کیا ہے؟ کیا تہذیب کی یہ بلند عمارت اخلاق کی مضبوط بنیادوں پر استوار ہے، یا اس کے نیچے انسانیت کی قدریں خاموشی سے دم توڑ رہی ہیں؟ کیا علم و ہنر کی یہ وسعتیں دلوں کی وسعت میں بھی ڈھل سکی ہیں، یا انسان نے کائنات کو تو مسخر کر لیا مگر اپنے نفس پر غلبہ حاصل نہ کر سکا؟

آج زمانے نے واقعی بہت ترقی کر لی ہے۔ اتنی کہ دنیا جیسے سمٹ کر رہ گئی ہے۔ انسان نے پہاڑوں کو کاٹ کر راستے بنا لیے، گاؤں کی تنگ گلیوں سے لے کر شہروں کی کشادہ شاہراہوں تک مضبوط سڑکوں کا جال بچھا دیا، راتوں کو دن کی طرح روشن کر

دیا، سورج کی روشنی کو اپنی ضرورتوں کے لیے استعمال کرنا سیکھ لیا، ہوا میں پرواز کر لی، سمندروں کی گہرائیوں تک جا پہنچا، اور ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیے جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

انسان نے ایسے مہلک ہتھیار بھی ایجاد کر لیے ہیں کہ اگر وہ غلط ہاتھوں میں چلے جائیں تو چند لمحوں میں پوری دنیا تباہی کے دہانے پر پہنچ سکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان نے حیرت انگیز ترقی کی ہے، زمانہ بہت آگے بڑھ گیا ہے، اور تہذیب نے بظاہر اپنے عروج کو چھو لیا ہے۔

لیکن ذرا رک کر اپنے دل سے یہ سوال کیجیے! کیا جس رفتار سے انسان نے ترقی کی ہے، کیا اسی رفتار سے انسانیت بھی آگے بڑھی ہے؟ کیا آدمی کے ساتھ آدمیت بھی بہتر ہوئی ہے؟ کیا کردار بھی بلند ہوا ہے؟ کیا محبت، اخوت، رحم، انصاف اور ایثار میں بھی اضافہ ہوا ہے؟

افسوس! اس کا جواب نفی میں ہے۔ انسان نے ترقی تو کی، مگر انسانیت پیچھے رہ گئی۔ آدمی آگے بڑھ گیا، مگر آدمیت پیچھے رہ گئی۔ عمارتیں اونچی ہو گئیں، مگر کردار پست ہو گیا۔ فاصلے کم ہو گئے، مگر دل ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ زبانوں پر مٹھاس باقی ہے، لیکن دلوں میں خلوص کم ہوتا جا رہا ہے۔

آج ہمارے درمیان پہلے جیسی محبت باقی نہیں رہی، اخوت کمزور پڑ گئی ہے، بڑوں کا احترام گھٹ گیا ہے، چھوٹوں پر شفقت کم ہو گئی ہے، والدین کی خدمت کا جذبہ ماند پڑ چکا ہے، اساتذہ کی عظمت دلوں سے نکلتی جا رہی ہے، علماء کی قدر کم ہوتی جا رہی ہے، اور رشتے اخلاص کے بجائے مفاد کی بنیاد پر استوار ہونے لگے ہیں۔ مادیت

نے انسان کو آسائش تو دی ہے، مگر سکون نہیں؛ دولت نے سہولتیں تو عطا کی ہیں، مگر محبت نہیں؛ طاقت نے خوف تو پیدا کیا ہے، مگر عزت نہیں۔ جب تک ترقی کے ساتھ اخلاق، کردار، محبت، انصاف اور انسانیت نہ ہو، تب تک ترقی ادھوری ہی رہے گی۔

اگر اسی کا نام ترقی ہے تو ہمیں کہہ لینے دیں: وہ اندھیرے ہی بھلے تھے کہ قدم راہ پر تھے یہ روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں آج ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو محسوس ہوتا ہے کہ محبت کی جگہ نفرت، اخوت کی جگہ عداوت، خیر خواہی کی جگہ حسد اور ایثار کی جگہ مفاد پرستی نے لے لی ہے۔ کسی کی ترقی ہمیں خوشی نہیں دیتی بلکہ دل میں حسد کی آگ بھڑکا دیتی ہے۔ کسی کا کاروبار پھلتا پھولتا دیکھیں، کسی کی عزت و شہرت میں اضافہ ہوتا دیکھیں یا کسی کو کامیابی کی منزلیں طے کرتے دیکھیں تو اسے مبارک دینے کے بجائے اسے نیچا دکھانے کی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں۔ بعض لوگ تو اس قدر اخلاقی پستی کا شکار ہو چکے ہیں کہ جھوٹی شکایتیں، بہتان، سازشیں، بلکہ جادو ٹونے اور سفلی عملیات جیسے باطل ذرائع اختیار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ سب اس بات کی علامت ہے کہ ہم نے ترقی تو حاصل کی، مگر اپنے کردار اور اپنے ضمیر کو سنوارنے میں ناکام رہے۔

اگر ہم آج سے سو برس پہلے اپنے اکابرین اور اسلاف کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو وہاں محبت، ایثار، اخوت، حسنِ سلوک، امانت، دیانت اور انسانیت کی خدمت کے روشن نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ وسائل محدود تھے مگر دل وسیع تھے۔ دولت کم تھی مگر قناعت زیادہ تھی۔ سہولتیں کم تھیں مگر سکون زیادہ تھا۔ گھروں میں

سادگی تھی مگر رشتوں میں خلوص تھا۔ اختلافات ضرور ہوتے تھے، مگر نفرتیں دلوں میں جگہ نہیں بناتی تھیں۔ یہی وہ اوصاف تھے جنہوں نے ایک مضبوط، باوقار اور مہذب معاشرہ تشکیل دیا تھا۔

آج ضرورت صرف نئی ایجادات، جدید مشینوں اور بلند و بالا عمارتوں کی نہیں، بلکہ ایک نئے انسان کی ہے؛ ایسے انسان کی جو اپنے رب کا وفادار ہو، اپنے والدین کا فرمانبردار ہو، اپنے اساتذہ کا ادب کرنے والا ہو، اپنے بڑوں کا احترام کرنے والا ہو، اپنے چھوٹوں پر شفقت کرنے والا ہو، اپنے پڑوسی کا خیر خواہ ہو اور پوری انسانیت کے لیے رحمت و محبت کا پیکر ہو۔

یاد رکھیے! قومیں صرف سائنسی ترقی سے عظیم نہیں بنتیں بلکہ اعلیٰ کردار، پاکیزہ اخلاق، عدل، دیانت، محبت اور انسانیت کے ذریعے عظمت حاصل کرتی ہیں۔ اگر انسان مشینوں کو تو ترقی دے مگر اپنے ضمیر کو زندہ نہ رکھ سکے، اگر وہ دنیا کو فتح کر لے مگر اپنے نفس سے شکست کھا جائے، تو ایسی ترقی حقیقت میں ترقی نہیں بلکہ ایک مہذب زوال ہے۔

آوازِ ضمیر:
محمد اشفاق عالم امجدی علیمی
بچباری، آبادپور، کٹیہار، بہار، الھند
فاضل دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

معاملہ سفارش اور داخلہ: مدارسِ اہلِ سنت

مدارسِ اہلِ سنت کا تذکرہ آتے ہی دل عقیدت سے جھک جاتا ہے۔ یہ وہ ادارے ہیں جنہوں نے برِّصغیر میں علم و عمل کے چراغ جلائے، دینی ورثے کو محفوظ کیا، اور نسلوں کی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ ان مدارس سے وابستہ ہونا، ان کے ماحول میں تعلیم پانا، ہزاروں طلبہ کے لیے صرف ایک اعزاز نہیں بلکہ خواب کی تعبیر ہے۔

مگر افسوس! وقت کے ساتھ ایک ایسا رجحان پنپ رہا ہے جو نہ صرف ان اداروں کی ساکھ کو داغ دار کر رہا ہے بلکہ مستحق اور محنتی طلبہ کے ارمانوں کو بھی پامال کر رہا ہے۔

ہمیں اپنے ان دینی اداروں پر فخر ہے، ان کے نظام، اساتذہ، اور ان کی قربانیوں پر کامل اعتماد ہے۔

لیکن ایک سوال جو مسلسل ابھرتا جا رہا ہے: اگر داخلہ کے لیے امتحان لیا جاتا ہے، تو پھر سفارش کا پلڑا کیوں بھاری ہوتا جا رہا ہے؟

کیوں وہ طلبہ، جنہوں نے دن رات ایک کر کے تیاری کی، صرف اس لیے پیچھے رہ جاتے ہیں کہ ان کے پیچھے کوئی بااثر فرد یا سیاسی شخصیت نہیں؟

اگر فیصلہ سفارش پر ہی ہونا ہے، تو پھر امتحان کی زحمت کیوں؟

کیوں طلبہ کو یہ امید دلائی جاتی ہے کہ محنت کا صلہ ضرور ملے گا؟

کیوں ان کی دعائیں، قربانیاں، اور جذبے، کسی کے تعلق یا شناخت کے نیچے

دفن ہو جاتے ہیں؟

یہ صرف ایک داخلہ نہیں ہوتا، بلکہ ایک خواب ہوتا ہے۔ وہ خواب جو کسی دیہی علاقے کی مٹی سے اُٹھ کر علم کے منارے تک پہنچنے کا وسیلہ بننا چاہتا ہے۔

جب ایک محنتی طالب علم سفارش کی دیوار سے ٹکرا کر گر جاتا ہے، تو اُس کا صرف خواب نہیں بکھرتا، اُس کا حوصلہ، اُس کا ایمان، اور اُس کی ادارے سے عقیدت بھی زخمی ہو جاتی ہے۔

ہم تنقید کرنے نہیں آئے، ہم اُن عاشقوں میں سے ہیں جن کے سینے مدارسِ اہلِ سنت کی محبت سے لبریز ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ ادارے صرف عقیدت کے مجسمے نہ ہوں، بلکہ عدل، دیانت، اور شفافیت کی جیتی جاگتی مثال ہوں۔

ایسے ادارے، جہاں نہ کسی کی پہچان دیکھ کر فیصلہ ہو، نہ کسی کی سفارش پر دروازے کھلیں، بس طالب علم کی محنت، لگن، اور اخلاص ہی اس کی پہچان ہو۔ محنت کی راہ میں ہو نہ رکاوٹ کوئی، ہر خواب کو مل جائے حقیقت کوئی، ہمارا مطالبہ فقط انصاف ہے، ہماری امید فقط بہتری ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہر وہ طالب علم، جو دن رات کی محنت کے ساتھ درِ علم پر آتا ہے، خالی ہاتھ نہ لوٹے۔

آوازِ ضمیر؛

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آبادپور، کٹیہار (بہار)

شائع کردہ: ۱۰، اپریل، ۲۰۲۵ء

صدرُ الشریعہ کا علمی و روحانی تسلسل: از ماضی تا مستقبل

خطہ ہند کی علمی و روحانی تاریخ میں چند ایسی قدسی صفات ہستیاں جلوہ گر ہوئیں، جن کے آثار و انوار زمان و مکان کی قید سے ماورا ہو کر آج تک فیض رساں ہیں۔ ان ہی درخشندہ ہستیوں میں ایک تابندہ نام حضرت صدرُ الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی نور اللہ مرقدہ کا ہے، جن کی علمی و فقہی خدمات ایک ایسا تسلسل ہیں، جو وقت کے نشیب و فراز سے بے نیاز ہو کر آج بھی اہلِ سنت کا سرمایہ افتخار ہیں۔

صدرُ الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ ان نابغہ روزگار علماء میں سے ہیں، جنہوں نے فتنہ و گمراہی کے اندھیروں میں علم و عمل کی قندیلیں روشن کیں۔

آپ براہِ راست امامِ اہلِ سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے فیض یافتہ، علومِ رضویہ کے امین، اور فکرِ رضا کے مستند ترجمان تھے۔

وہ ایک ایسا پُرآشوب دور تھا، جب جدید فلسفوں کی یلغار اور دینی انحرافات کے سیلاب نے ملت کو تذبذب میں مبتلا کر رکھا تھا۔

ایسے نازک لمحے میں حضرت صدرُ الشریعہ نے "بہارِ شریعت" جیسی شاہکار تصنیف کے ذریعے علمِ فقہ کی ایسی شمع روشن کی، جو نہ صرف عوام کے لیے ہدایت کا چراغ بنی، بلکہ علماء و مفتیانِ کرام کے لیے بھی ایک راہنما آئینہ ثابت ہوئی۔

علمی عبقریت اور فقہی بصیرت کا حسین امتزاج

صدرُ الشریعہ محض فقیہ نہیں، بلکہ مفسرِ قرآن، محدثِ وقت، اصولی متکلّم، منطقی

مفکر، اور عظیم مدرس بھی تھے۔ آپ نے فقہِ حنفی کو عام فہم اسلوب میں پیش کر کے ایک غیر معمولی کارنامہ انجام دیا۔ "بہارِ شریعت" آپ کا وہ علمی شاہکار ہے جو آج بھی مدارس، جامعات، خانقاہوں اور عوامی حلقوں میں مقبولِ عام ہے اور فقہی رہنمائی کا مستند مرجع ہے۔

آپ کا علم صرف ظاہری علوم پر محیط نہ تھا، بلکہ آپ باطنی اسرار و معارف کے بھی امین تھے۔ آپ کی روحانی وابستگی اعلیٰ حضرت سے صرف نسبتِ ظاہری نہ تھی، بلکہ وہ ایک باطنی سلسلہ تھا جس میں روحانیت، تزکیہ، خشیت، اخلاص، اور تقویٰ کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ کی مجالس صرف درسگاہیں نہیں، بلکہ روحانی تربیت گاہیں بھی ہوا کرتی تھیں۔

صدرُ الشریعہ کی فقہی آراء آج بھی جدید دینی مسائل میں دلیل واستناد کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ ان کا اسلوبِ استدلال، قوتِ استنباط، اور اندازِ تحریر آج کے فقیہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان کے فتاویٰ اور تصانیف اہلِ سنت کے لیے نہ صرف علمی اثاثہ ہیں بلکہ ایک زندہ و متحرک فقہی نظام کی بنیاد بھی ہیں۔

عرس امجدی کے پر مسرت موقع پر استاذی الکریم حضور تاج الفقہاء علامہ مفتی اختر حسین قادری علیمی دامت برکاتہم نے ایک روح پرور واقعہ بیان فرمایا کہ

"ایک موقع پر خلیل العلماء علامہ مفتی خلیل احمد خان برکاتی کسی پیچیدہ مسئلے میں غور و فکر کر رہے تھے مگر راہ نہ پا رہے تھے۔ آپ نے تصورِ صدرُ الشریعہ میں نیند کی آغوش لی۔ خواب میں حضور صدرُ الشریعہ تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

"مولوی! کیوں پریشان ہو؟

"عرض کیا:"حضور! یہ مسئلہ حل نہیں ہو رہا۔

"فرمایا:"بہارِ شریعت کے فلاں باب کا مطالعہ کرو، حل مل جائے گا۔"

یہ واقعہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ حضور صدرُ الشریعہ کا فیضان آج بھی اپنے عقیدت مندوں پر جاری ہے، اور آپ کی تربتِ انوار سے علم و حکمت کی شعاعیں مسلسل ضیاء پاشی کر رہی ہیں۔

صدرُ الشریعہ کا علمی و روحانی فیضان کسی ایک دور تک محدود نہیں۔ یہ تسلسل ایک ایسی روشن شاہراہ ہے، جس پر چل کر امت اپنی دینی سمت و منزل کو پا سکتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے طرزِ تدریس، اسلوبِ نگارش، اور فقہی بصیرت کو نسلِ نو تک منتقل کیا جائے۔ مدارس و جامعات میں ان کی تصانیف کو نصاب کا حصہ بنایا جائے، اور ان کے افکار و خیالات پر تحقیقی کام کو فروغ دیا جائے۔

ان کی زندگی، علم و عرفان، فقہ و بصیرت، اور روحانیت و سلوک کا حسین امتزاج ہے۔ ان کا فیضان ایک ایسی روشن مشعل ہے جس سے اگر موجودہ اور آئندہ نسلیں استفادہ کرتی رہیں تو یقیناً یہ تسلسل قیامت تک قائم رہے گا۔

رب تعالیٰ حضور صدرُ الشریعہ علیہ الرحمۃ کی تربتِ انور پر اپنی رحمتوں، برکتوں اور انوار و تجلیات کی بارشیں نازل فرمائے، اور ہمیں ان کے علمی و روحانی فیضان سے مالا مال فرمائے آمین۔ بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

از قلم:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری آباد پور کٹیہار (بہار)

قربانی کی حقیقت:

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی سنت

قربانی کا معنی

قربانی کا لفظ "قرب" سے مشتق ہے، جس کے لغوی معنی ہیں: "نزدیکی" یا "قریب ہونا"۔ عربی زبان میں "قُرب" اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان کسی کے قریب ہو جائے۔ چوں کہ قربانی کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور رضا حاصل کرنا چاہتا ہے، اسی لیے اس عبادت کو "قربانی" کہا جاتا ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں قربانی ایک عظیم مالی عبادت ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ مخصوص ایام میں مخصوص جانور کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور تقرب کی نیت سے ذبح کیا جائے۔

یہ عبادت نہ صرف اطاعت و فرمانبرداری کا مظہر ہے بلکہ اس کے ذریعے بندہ اپنی جان و مال کے نذرانے پیش کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے۔

قربانی کیا ہے؟

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ!

"مَا هَذِهِ الْأَضَاحِی قَالَ سُنَّةُ أَبِیکُمْ إِبْرَاهِیمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالُوا فَمَا لَنَا فِیهَا یَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوا فَالصُّوفَ یَا رَسُولَ اللَّهِ

قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوفِ حَسَنَةٌ"۔

یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت ہے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے لیے اس میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر بال کے برابر نیکی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا بھیڑ کے بال؟ آپ نے فرمایا: بھیڑ کے بال کے ہر سوت کے برابر نیکی ہے۔

قربانی کی حقیقت

شمس الائمہ امام سرخسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مالی عبادت دو قسم کی ہیں، (۱) ایک بہ طریق تملیک ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی کو کوئی چیز دے دینا) جیسے صدقات وزکوۃ وغیرہ (۲) اور ایک بطریق اتلاف ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی چیز کو ہلاک کر دینا) جیسے غلام آزاد کرنا۔ قربانی میں یہ دونوں قسمیں جمع ہو جاتی ہیں، اس میں جانور کا خون بہا کر اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، یہ اتلاف ہے اور اس کے گوشت کو صدقہ کیا جاتا ہے، یہ تملیک ہے۔

قربانی کب سے شروع ہوئی

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ

(سورة الحج : آیت ٣٤)

اور ہر امت کے لیے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے

دیے ہوئے بے زبان چوپایوں پر۔

پتہ چلا کہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں قربانی پیش کرنے کا رواج بہت پہلے سے چلا آرہا ہے، مگر قبل از اسلام اس کی صورت دوسری تھی، وہ اس طور پر کہ جو قربانی اللہ عزوجل کی بارگاہ میں مقبول ہو جاتی تھی تو ایک سفید رنگ کی بغیر دھوئیں والی آگ شراٹے مارتی ہوئی آسمان سے اترتی تھی اور مقبول قربانی کو جلا کر خاک کر جاتی تھی، جسے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

حتیٰ کہ لوگ جھگڑے کی صورت میں اپنی حقانیت بھی اسی طرح ثابت کرتے تھے کہ جو سچا ہوتا تھا اس کی قربانی کو آگ جلا جاتی تھی، جھوٹے کی قربانی یوں ہی پڑی رہتی تھی۔

چنانچہ جب ہابیل و قابیل عقلیمہ نامی ایک عورت کے بارے میں جھگڑے کہ وہ کس کے لیے حلال ہے تو ان دونوں نے قربانیاں پیش کیں جسے انہوں نے پہاڑ پر رکھ دیا، ہابیل کی قربانی قبول ہوئی کہ اسے غیبی آگ جلا گئی، قابیل کی قربانی رد کر دی گئی کہ اسی طرح رہی۔ مگر اُمتِ محمدیہ کو یہ بھی ایک خصوصیت حاصل ہے کہ وہ اپنی قربانی کے گوشت کو خود کھا سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم کا خواب

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی قربانی کے واقعہ کو قرآن مقدس میں اس طرح بیان فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي

الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ

(سورۃ الصفت: آیت ۱۰۱/۱۰۲)

توہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک عقلمند لڑکے کی پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں، اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟

مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آٹھویں ذوالحجہ کی رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کیجئے۔ جب صبح کو اٹھے تو سارا دن اسی شش و پنج میں گزرا کہ نا معلوم یہ حکم واقعی من جانب اللہ ہے یا وسوسہ ہے، اسی لیے اس دن کا نام ''یَوۡمِ تروِیہ'' (سوچ کا دن) ہے۔

پھر نویں ذی الحجہ کو خواب میں اسی طرح کا حکم سنا تو صبح کو اُٹھے تو یقین کیا کہ واقعی یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اسی لیے اس دن کا نام ''یومِ عرفہ'' (پہچاننے کا دن) ہے۔

پھر یہی خواب دسویں ذی الحجہ کی شب کو دیکھا تو صبح اُٹھ کر عزم کیا کہ صاحبزادے کو ضرور ذبح کروں گا۔ اس لیے اس دن کا نام ''یَومُ النَّحۡرُ'' (قربانی کا دن) رکھا گیا۔

انبیائے کرام کے خواب

اس بات پر اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواب بھی وحی الٰہی ہوا کرتے ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا؛

"اَوَّلُ ما بُدِی بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ تَعَالَی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْیِ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ فِی الْمَنَامِ" .

سب سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوئی وہ بذریعہ خواب تھی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی بذریعہ خواب وحی نازل کی گئی کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کو ذبح کریں۔

انبیائے کرام کی آنکھیں سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتے ہیں جیسا کہ بخاری شریف میں ایک مقام پر روایت ہے:

" الأَنْبِیَاءُ تَنَامُ أَعْیُنُهُمْ وَ لَا تَنَامُ قُلُوبُهُمْ" .

یعنی انبیائے کرام کی آنکھیں سوتی ہیں مگر دل بیدار ہوتے ہیں۔

حضرت اسماعیل کی رضامندی

جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ السلام کو خواب کے ذریعہ اللہ کی جانب سے یہ حکم ہو گیا کہ وہ اپنے لخت جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں تو آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس خواب اور حکم خداوندی سے آگاہ فرمایا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی حکم خداوندی پر رضامندی کے حوالے سے قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے:

''قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ''

(سورة الصفت : آیت ۱۰۲)

کہا اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے، خدا نے چاہا تو قریب

ہے آپ مجھے صابر پائیں گے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ السلام جانتے تھے کہ ایک نہ ایک دن موت کا آنا یقینی ہے تو کیوں نہ اس جان کو اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے قربان کر دیا جائے۔ اسی لیے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی جان کی قربانی پیش کرنے پر راضی ہو گئے۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آداب فرزندی؟

حقیقت یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی جانب سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی آزمائش اور وہ بھی اتنی عظیم آزمائش کہ ان سے انہیں کی جان کو قربان کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور وہ اپنی جان کو قربان کرنے کے لیے راضی ہیں محض اس لیے کہ یہ اللہ عز وجل کا حکم ہے اور حکم خدا کی پابندی بندوں کا فریضہ ہوتا ہے۔

ہمیں بھی اللہ عزوجل آزماتا ہے، ہمارا بھی اس دنیا میں امتحان ہوتا ہے، کبھی ہمیں فقر وفاقہ میں مبتلا کر دیا جاتا ہے، کبھی ہماری نظروں کے سامنے ہمار الختِ جگر، نور نظر دم توڑ دیتا ہے، کبھی ہمیں بیماریوں سے دوچار کر دیا جاتا ہے، کبھی مصائب و آلام میں گرفتار کر دیا جاتا ہے اور اس وقت اگر ہم صبر وضبط کا مظاہرہ کریں تو ہمیں کیا انعام ملے گا اس کے حوالے سے فرمانِ خداوندی ہے"

وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ، الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ-قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ، اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ-وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ

(سورۃ البقرۃ: آیت ۱۵۵/۱۵۶/۱۵۷)

اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی طرف پھرنا۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

لہذا اگر ہم ان فضائل کو پانا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم آنے والی مصیبتوں پر صبر کا مظاہرہ کریں اور اُسوہ خلیل و اسماعیل علیہما السلام کو اپنانے کی کوشش کریں۔

شیطان کا فریب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب احبار کا قول اور محمد بن اسحاق نے اپنے راویوں کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا تو شیطان نے کہا اگر میں اس وقت ابراہیم کے گھر والوں کو نہ بہکا سکا تو پھر کبھی ان کی اولاد میں سے کسی کو نہ بہکا سکوں گا۔

یہ ارادہ کر کے وہ مرد کی شکل میں لڑکے کی ماں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کیا تم کو معلوم ہے کہ ابراہیم تمھارے بیٹے کو کہاں لے گئے ہیں؟ ماں نے کہا دونوں اس گھاٹی سے لکڑیاں لینے گئے ہیں۔ شیطان نے کہا نہیں خدا کی قسم! ایسا نہیں ہے بلکہ ابراہیم اسماعیل کو ذبح کرنے لے گئے ہیں۔

ماں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا، وہ تو بیٹے سے بہت پیار کرتے ہیں اور ان کے دل میں بیٹے کی بہت محبت ہے۔ شیطان نے کہا وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ ماں نے کہا کہ اگر ان کے رب نے یہ حکم دیا ہے تو حکم رب کی

اطاعت کرنی ہی بہتر ہے۔

شیطان یہاں سے مایوس ہو کر بیٹے کے پاس پہنچا، بیٹا اس وقت باپ کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ شیطان نے ان سے کہا لڑکے! کیا تم جانتے ہو کہ تمھارے باپ تم کو کہاں لے جا رہے ہیں؟ لڑکے نے کہا ہم اس گھاٹی سے گھر کے لیے ایندھن کی لکڑیاں لینے جا رہے ہیں۔ شیطان نے کہا نہیں، خدا کی قسم! اس کا مقصد یہ نہیں بلکہ وہ تم کو ذبح کرنا چاہتا ہے۔

لڑکے نے کہا کیوں؟ شیطان نے کہا اس کا خیال ہے کہ اس کے رب نے اس بات کا حکم دیا ہے۔ لڑکے نے کہا ایسا ہے تو اس کو اپنے رب کے حکم کی اطاعت بسر و چشم کرنی ضروری ہے (میں بھی اس پر راضی ہوں)

جب لڑکے نے شیطان کا مشورہ نہ مانا تو شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف رخ کیا اور کہنے لگا شیخ کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں ایک کام سے اس گھاٹی میں جانا چاہتا ہوں۔

شیطان بولا خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ شیطان نے خواب میں آکر تم کو اپنے لڑکے کے ذبح کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہچان لیا کہ یہ شیطان ہے، بولے دشمن خدا! میرے پاس سے ہٹ جا، میں ضرور ضرور اپنے رب کے حکم پر عمل کروں گا۔ شیطان غضبناک ہو کر لوٹ گیا اور ابراہیم اور ان کے گھر والوں کے معاملہ میں کچھ بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اللہ نے ان سب کو شیطان سے محفوظ رکھا۔

شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ میں جگہ جگہ اس سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے کیوں کہ شیطان اہل ایمان کو ہر نیک کام سے

روکنے کی کوشش کرتا ہے، انہیں صراط مستقیم سے بہکا کر غلط راستوں پر ڈال دیتا ہے، انسان کو عیش پرست، حکم عدول اور گناہوں کا عادی بنا دیتا ہے، اس نے اللہ کے عظیم پیغمبر کو بھی بہکانے کی کوشش کی تھی مگر جب کوئی شخص مخلص ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تائید ہوتی ہے، حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حکم الٰہی کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا تھا اور بے چون و چرا اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے، لہذا اس عزم و استقلال کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ عزوجل نے انہیں شیطان کے شر سے محفوظ فرما دیا اور وہ حضرات امتحان میں کامیاب ہو گئے۔

ہم بھی اگر شیطان کے شر سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم تمام کارہائے خیر میں عزم واستقلال اور خلوص کا مظاہرہ کریں۔

قربانی کے لئے تیار

اب باپ اور بیٹے کے درمیان کیا معاملہ ہوا اس کو قرآن مقدس بیان فرماتا ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِۚ

(سورة الصفت : آیت ۱۰۳)

توجب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا اس وقت کا حال نہ پوچھ۔

مذکورہ بالا آیت کے تحت صاحب تفسیر مظہری تحریر فرماتے ہیں:

یہ واقعہ منیٰ میں صخرہ کے پاس ہوا، (جب ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لٹا دیا تو) حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے ابا! میرے بندھن کس کر باندھنا تاکہ میں تڑپ نہ سکوں اور اپنے کپڑے میری طرف سے سمیٹے رکھنا تاکہ میرا خون اُچھل کر آپ کے کپڑے پر نہ پڑ جائے اور میرے اجر میں کمی آجائے اور اس خون کو دیکھ کر میری ماں رنجیدہ ہو جائے اور چھری کو تیز کر لینا اور میرے حلق پر تیزی سے چلا دینا تاکہ میرے لیے دشواری نہ ہو کیوں کہ موت سخت چیز ہے اور آپ جب میری ماں کے پاس جائیں تو ان کو میرا سلام کہنا اور اگر آپ میرا کرتا میری ماں کے پاس واپس لے جانا چاہتے ہیں تو لے جائیں اس سے ان کو بڑی تسلی ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے کہا: میرے پیارے بیٹے! اللہ کے حکم کی تعمیل کے لیے تو میرا بہت اچھا مددگار ہے۔ پھر بیٹے نے جو کچھ کہا تھا باپ نے ویسا ہی کیا، اول بیٹے کو پیار کیا پھر باندھ دیا اور رونے لگے، پھر اسماعیل علیہ السلام کے حلق پر چھری رکھ دی لیکن چھری سے حلق پر نشان بھی نہ پڑا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حلق پر چھری تیز چلانے لگے لیکن چھری کچھ کاٹ نہ سکی۔ اس کے بعد کیا ہوا، قرآن کریم فرماتا ہے:

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ

(سورۃ الصفت: آیت ۱۰۵)

اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم، بے شک تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔

ایک باپ اپنے بیٹے سے کتنی محبت کرتا ہے، اس کا اندازہ ہر باپ کو ہوتا ہے۔ ایک باپ اپنے بچوں کی اچھی پرورش کے لیے طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتا ہے، اپنے عزیز شہر یا وطن کو چھوڑ کر دوسرے شہر یا ملک کا سفر کرتا ہے تاکہ رزق حلال کما کر اپنے بچوں کے لیے دنیاوی آسائش کے سامان مہیا کر سکے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے بیٹے کو خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں۔

اندازہ لگائیے کہ کتنا دردناک منظر ہوگا اور کیسی دل کو ہلا دینے والی کیفیت ہو گی۔ مگر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے فرزند ارجمند نے صبر و ضبط کیا اور مرضی خدا کا لحاظ کیا تو آئی ہوئی مصیبت کو اللہ نے دور فرما دیا اور باپ بیٹے کو وہ توفیق عنایت کی جو کسی اور کو نہیں ملی۔

سارے جہاں پر ان کو برتری عطا فرمائی اور ثواب آخرت جو اُن کے لیے مقرر فرمایا اس کا اظہار ہی نہیں ہو سکتا۔ ان تمام نعمتوں پر ان دونوں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

جب یہ واقعہ در پیش ہوا اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر 9 سال کی تھی، 9 سال کا بچہ اتنے شعور و فہم کا مالک ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے لیے آرام اور تکلیف دہ چیزوں کے درمیان تمیز کر سکے مگر حضرت اسماعیل علیہ السلام بغیر کسی چون و چرا کے رضامندی کا اظہار کر رہے ہیں اور گلے پر چھری رکھی ہوئی ہے مگر زبان پر حرف شکوہ بھی نہیں لاتے، آخر ایسا کیوں ہے؟

غور کرنے پر ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن میں ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایسی ذہنی تربیت فرمائی تھی کہ آپ کے ذہن و

دماغ میں حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا جذبہ موجزن تھ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اللہ کی راہ میں پیاری جان کا نذرانہ پیش کرنے میں دریغ نہ کیا۔

قربانی کا مقصد

اللہ عزوجل نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ

(سورۃ الصفت: آیت ۱۰۶)

بے شک یہ روشن جانچ تھی۔ یعنی اس کے ذریعہ مخلص اور غیر مخلص کی جانچ ہوتی ہے کہ

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ

(سورۃ الفاتحۃ: آیت ۴)

کا دعویٰ محض دعویٰ ہے یا اس کے ساتھ اس کی کوئی دلیل بھی ہے۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام اس امتحان میں کامیاب ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں یہ صلہ دیا کہ ہر سال صاحب استطاعت مسلمان پر قربانی کو واجب قرار دے کر ان دونوں حضرات کی یاد منانے کا ذریعہ بنا دیا اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک آنے والے مسلمان ہر سال ان حضرات کو یاد کرتے رہیں گے۔

حضرت اسماعیل کا فدیہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری پھیرنا شروع کیا تو اللہ عزوجل نے انہیں کس طرح بچا لیا، اس کا ذکر کرتے

ہوئے رب ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ

(سورۃ الصفت: آیت ۱۰۷)

اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر اسے بچا لیا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک آواز سنی تو نظر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، او پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نظر آئے جن کے ساتھ سینگوں والا مینڈھا تھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے بیٹے کا فدیہ ہے، اس کی قربانی کر دیجئے۔

اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے تکبیر کہی اور مینڈھے نے بھی تکبیر کہی اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے نے بھی تکبیر کہی پھر منی کے قربان گاہ میں جا کر مینڈھے کو ذبح کر دیا۔

راقم الحروف:
محمد اشفاق عالم امجدی علیمی (بچباری، آباد پور، کٹیہار)
فضیلت سال اخیر، جامعہ علیمیہ جمدا شاہی (بستی یوپی)

محبت: ہر دل کی اپنی حقیقت

کسی ذی شعور پر یہ مخفی نہیں کہ محبت کا لفظ جس قدر شہرت اور مقبولیت کا حامل ہے، اسی قدر اس کے مفہوم میں وسعت اور گہرائی پائی جاتی ہے۔

ہر زبان پر اس کا چرچا ہے، ہر دل میں اس کا نقش ہے، ہر محفل میں اس کا تذکرہ ہے، اور ہر فکر میں اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ مگر تعجب خیز امر یہ ہے کہ جس لفظ کی شہرت آفاق گیر ہو چکی ہے، اسی کے معنی میں دنیا بھر کے اذہان میں انتشار اور افتراق پایا جاتا ہے۔

ہر ایک نے محبت کو اپنی سمجھ، اپنے ذوق، اور اپنی بصیرت کے آئینے میں دیکھا، اور جو عکس ابھرا، اسے محبت کا چہرہ سمجھ لیا۔ چنانچہ سب کے خیالات جداگانہ، سب کے تصورات مختلف، سب کی رائیں الگ الگ، اور سب کی تعریفیں اپنی اپنی راہ لیے ہوئے ہیں۔

اہلِ ذوق اور اہلِ دل نے محبت کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ کسی نے کہا کہ محبت دیوانگی کا دوسرا نام ہے، کہ جب دل عشق میں گرفتار ہوتا ہے تو خرد کے قافلے بکھر جاتے ہیں اور شعور کے چراغ گل ہو جاتے ہیں۔

محبت کا مفہوم بے خودی اور دیوانگی ہے، اور یہی محبت کی وہ بلند ترین منزل ہے جہاں عقل سرنگوں اور جنون سرفراز ہوتا ہے۔

کسی نے فرمایا کہ محبت ایک لطیف جذبہ ہے، جو دل کے نہاں خانوں سے اُبھرتا ہے اور روح کے نہاں گوشوں کو سرشار کر دیتا ہے۔

یہ ایک ایسی آگ ہے، جو جلتی ہے مگر راکھ نہیں کرتی؛ جو روشن کرتی ہے مگر آنکھوں کو خیرہ نہیں کرتی؛ جو جلاتی ہے مگر وجود کو نیست و نابود نہیں کرتی، بلکہ نکھارتی اور سنوارتی ہے۔

کچھ صاحبانِ فکر نے کہا کہ محبت دراصل فطرتِ انسانی کی صدا ہے۔ یہ انسان کی جبلت میں پیوستہ وہ نورانی جذبہ ہے، جو اُسے اپنے خالق سے جوڑتا ہے، مخلوق سے قریب کرتا ہے، اور اپنی ذات سے ماورا کر کے کائنات کی وسعتوں میں پھیلا دیتا ہے۔

اہلِ معرفت کا قول ہے کہ محبت فنا کا نام ہے۔ خودی کے بت کو پاش پاش کرنے کا عمل؛ اپنی خواہشات اور ارادوں کو محبوب کی رضا میں گم کر دینے کا نام۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان بندگی کے عروج پر پہنچتا ہے اور ربانی قرب کے ذائقے سے آشنا ہوتا ہے۔

الحاصل: محبت کیا ہے؟

یہ ایک سوال نہیں، بلکہ ایک سمندر ہے، جس میں ہر دل کی کشتی اپنی اپنی وسعت کے مطابق تیرتی ہے۔ کسی کے لیے یہ دنیاوی تعلقات کا حسین رشتہ ہے، کسی کے لیے روحانی ارتقا کا زینہ، اور کسی کے لیے محض ایک خواب، ایک فسانہ، ایک لذتِ ناتمام۔

لیکن ایک بات طے ہے کہ محبت کی تاثیر میں کوئی اختلاف نہیں —یہ دلوں کو جوڑتی ہے، فاصلے مٹاتی ہے، اور انسان کو اس کی اعلیٰ ترین منزل کی جانب لے جاتی ہے۔ محبت ایک قوت ہے، ایک طاقت ہے، ایک انقلاب ہے، جو دلوں میں برپا ہوتا

ہے اور دنیا کے نقشے بدل دیتا ہے۔

از قلم:
محمد اشفاق عالم امجدی علیمی
بچباری، آبادپور، کٹیہار، بہار، الہند
المتخصص فی الفقه الحنفی

نکاح: نسل انسانی کی بقا

ربِّ متعال خالقِ ارض و سما نے جب حضرتِ انسان کے جدِّ اوّل حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مسجودِ ملائکہ بنایا، تو ان کی تنہائی کو رفع فرمانے اور نوعِ بشر کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے حضرت حوّا علیہا السلام کو ان کا قرینِ حیات بنا کر یہ آسمانی منشور صادر فرما دیا کہ انسانی معاشرے کی بقا، تہذیبی ارتقا اور تمدنی استحکام کا حقیقی محور "نکاح" جیسا پاکیزہ، بابرکت اور ربانی نظام ہے۔

نکاح درحقیقت فقط حیوانی جبلّت کی تسکین یا نفسانی خواہشات کی تکمیل نہیں بلکہ یہ ایک الٰہی معاہدہ، نورانی میثاق، اور ربانی حکمتوں سے معمور ایسا مقدّس بندھن ہے، جو انسان کو عفّت، طہارت، قلبی سکون اور سماجی وقار عطا کرتا ہے۔ اسی عہدِ مقدّس سے نسلِ انسانی کا ارتقائی سفر شروع ہوا، خاندانی نظام کی بنیاد پڑی، اور حیاتِ انسانی کو روحانی رفعت، اخلاقی تحفظ اور تمدنی توازن میسر آیا۔

نکاح: فطرت کی آواز

انسان ایک سماجی مخلوق ہے۔ اسے اطمینانِ قلب، محبت، انسیت، قربت اور سہارا درکار ہوتا ہے۔ یہ تمام جذبات صرف نکاح کے مقدس رشتے میں ہی مکمل طور پر پروان چڑھ سکتے ہیں۔

اگر انسانی فطرت کو نکاح سے محروم رکھا جائے، تو یہی جذبات بے راہ روی، جنسی انارکی اور اخلاقی انحطاط کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اللہ ربّ العزت نے

نکاح کو نہ صرف حلال و پاکیزہ ذریعہ تسکین بنایا بلکہ اسے ذریعہ عبادت بھی قرار دیا۔

نکاح: ایمان کی تکمیل

نکاح دینِ اسلام میں نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي".

یعنی نکاح میری سنت ہے، اور جو میری سنت سے منہ موڑے، وہ مجھ سے نہیں۔

ایک موقع پر پیغمبر اسلام ارشاد فرماتے ہیں:

''عن انس قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إذا تزوَج العبد فقد اسْتَكْمَلَ نصْف الدين فليتق الله فى النصف الباقى".

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسشاد فرمایا: جب بندہ شادی کرتا ہے تو وہ نصف دین مکمل کرلیتا ہے۔

(مشکوٰة شريف : كتاب النكاح ؛حديث٣٠٩٦)

ایک مقام پر فرمایا گیا:

"مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيجَ مَخَافَةَ الْعَيْلَةِ، فَلَيْسَ مِنَّا".

یعنی جو کوئی تنگ دستی کے خوف سے نکاح کو ترک کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔

(احياء العلوم مترجم جلد دوم: الترغيب فی النکاح ؛صفحه ١٦٧، مطبوعه المدینة العلمیة دعوت اسلامی)

کہیں فرمایا گیا:

"لا یَتمّ نسک النَّاسِک حتّی یَتَزَوَّجَ".

یعنی عابد کی عبادت اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ نکاح نہ کرے۔

کسی نے کہا تھا:

"لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنْ أَجَلِي إِلَّا عَشَرَةُ أَيَّامٍ، وَأَعْلَمُ أَنِّي أَمُوتُ فِي آخِرِهَا، وَلِي طَوْلُ النِّكَاحِ فِيهِنَّ، لَتَزَوَّجْتُ مَخَافَةَ الْفِتْنَةِ"

اگر میری زندگی میں صرف دس دن باقی ہوں، اور میں جانتا ہوں کہ آخری دن وفات ہے، اور ان دنوں میں نکاح کی قدرت ہو، تو میں فتنے سے بچنے کے لیے نکاح ضرور کروں گا۔

یہ تمام احادیث و اقوال اس حقیقت کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں کہ نکاح نہ صرف ایک فطری تقاضا ہے بلکہ ایمان، عبادت اور روحانی و معاشرتی پاکیزگی کی تکمیل کا ذریعہ بھی ہے، جو انسان کو فتنے سے محفوظ رکھتا ہے۔

نکاح: نسلوں کی بقا اور تحفظ

اگر نکاح کو پسِ پشت ڈال دیا جائے، تو نسلِ انسانی اخلاقی انارکی، بے ترتیبی اور خاندانی انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ مغربی معاشرہ اس کی زندہ مثال ہے، جہاں نکاح کی اہمیت کو فراموش کر دیا گیا، اور آج وہاں کے معاشرتی ڈھانچے بکھر چکے ہیں۔ بچوں

کو والدین کا علم نہیں، خاندانی نظام کا تصور مٹ چکا ہے، اور معاشرتی اقدار مٹی میں مل چکی ہیں۔

اس کے برعکس، اسلام نے نکاح کو ہر مرد و عورت کی فطری، اخلاقی اور قانونی ضرورت قرار دے کر انسانیت کو تحفظ دیا، اور نسلِ انسانی کی بقا کے لیے ایک پاکیزہ، باعزت اور مضبوط نظام قائم کیا۔

نکاح ہی وہ مضبوط قلعہ ہے جو زنا، فحاشی، بے حیائی اور اخلاقی تباہی جیسے خطرناک فتنوں کا راستہ بند کرتا ہے۔ جب نکاح کو آسان اور عام بنایا جائے گا، تو بے راہ روی خود بخود ختم ہونے لگے گی۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم نکاح کے اس عظیم فریضے کو آسان بنائیں، غیر شرعی رسومات اور مہنگے مطالبات ختم کریں، تاکہ نوجوان نسل حلال راستے کو اپنانے میں جھجک محسوس نہ کرے۔

نکاح: وقت کا اہم ترین تقاضا

آج کا نوجوان موبائل، سوشل میڈیا اور آزادانہ ماحول میں بے راہ روی کا شکار ہو رہا ہے۔ مجازی محبت، ناجائز تعلقات اور وقتی تسکین کے چکر میں وہ اپنی عزت، وقت، تعلیم، دین اور مستقبل سب کچھ داؤ پر لگا بیٹھتا ہے۔ ایسے میں والدین، اساتذہ اور علما کی ذمہ داری ہے کہ وہ نوجوانوں کو نکاح کی طرف راغب کریں اور ان کے لیے اس راہ کو آسان سے آسان تر بنائیں۔

نکاح نسلِ انسانی کی بقا، معاشرتی استحکام، روحانی سکون اور اخلاقی تحفظ کی ضمانت ہے۔ جو قومیں نکاح کو اپناتی ہیں، وہ عفت و طہارت کی راہوں پر چلتی ہیں،

اور جو اسے نظر انداز کرتی ہیں، وہ تباہی، انتشار اور بربادی کا شکار ہو جاتی ہیں۔

آیئے! نکاح کو آسان بنائیں، اس عظیم سنت کو زندہ کریں، اور اپنی نسلوں کو زنا، فتنہ اور فساد سے محفوظ رکھیں۔

از قلم:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آباد پور، کٹیہار (بہار)

شائع کردہ؛ ۱۳ مئی، ۲۰۲۵ء

صدر الشریعہ اور بہار شریعت کا آفاقی فیضان

حضور صدرُ الشریعہ، بدرُ الطریقہ، حکیمُ ابوالعلاء، علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی نور اللہ مرقدہ علم و عرفان کے افق پر ایک ایسا تابندہ ستارہ ہیں، جس کی ضیاء افشانی ہر دور میں اہلِ علم و عمل کے دلوں کو منور کرتی رہے گی۔

آپ کا شمار ان اجلہ خلفا میں ہوتا ہے جن پر امامِ اہلِ سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے کامل اعتماد فرمایا اور اپنی گراں قدر علمی و فقہی امانتیں ان کے سپرد فرمائیں۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھرانے میں حاصل کی۔ بعد ازاں مدرسہ حنفیہ جون پور میں علم حاصل کیا اور پھر محدث سورتی علیہ الرحمہ سے علومِ شریعت کی تکمیل فرمائی۔

اس کے بعد بریلی شریف کی بارگاہِ اعلیٰ حضرت سے حدیث کی اجازت اور خلافت و اجازت کے تاج پہن کر امت مسلمہ کے لیے مینار ہدایت بنے۔

آپ طویل عرصہ تک منظر اسلام بریلی شریف میں حدیث اور دیگر علوم دینیہ کی تدریس میں مصروف رہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے آپ کی فقاہت اور ثقاہت پر مکمل اطمینان فرماتے ہوئے آپ کو "صدر الشریعہ" کا معزز لقب عطا فرمایا، جو آپ کے اسم گرامی کا ہمیشہ کے لیے حصہ بن گیا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا فقید المثال ترجمہ قرآن "کنزالایمان" آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ آپ دو قومی نظریے کے

عظیم مبلغ اور رہنما بھی تھے، جس پر آپ کی حیاتِ مبارکہ کا ہر صفحہ شاہد و ناطق ہے۔

آپ کی علمی زندگی کا سب سے نمایاں اور شہرہ آفاق شاہکار کتاب "بہار شریعت" ہے، جو فقہ حنفی کا گراں قدر انسائیکلوپیڈیائی سرمایہ ہے۔ یہ کتاب نہ صرف فقہ حنفی کی مکمل تصویر پیش کرتی ہے بلکہ عامۃ المسلمین کے لیے بھی ایک روشن رہنما ہے۔ "بہار شریعت" کا ہر صفحہ علم و حکمت، فقہ و فتاویٰ اور رشد و ہدایت کا آئینہ دار ہے۔

"بہار شریعت" محض فتاویٰ کا مجموعہ نہیں بلکہ عقیدے کی پختگی، عبادات کی درستگی، معاملات کی اصلاح اور معاشرتی نظام کی تربیت کا جامع نصاب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب آج بھی وقت کی دھند میں رہنمائی کا مینار بنی ہوئی ہے اور ان شاء اللہ تاقیامت اپنی ضیاء بکھیرتی رہے گی۔

آپ کا علمی فیضان مدارس، جامعات، خانقاہوں اور گھروں تک پہنچ چکا ہے۔ آپ نے نہ صرف علم دین کو محفوظ فرمایا بلکہ عوام کے دلوں میں اس کی محبت اور اہمیت بھی راسخ کر دی۔ اسی لیے "بہار شریعت" آج بھی ہر عالم، ہر مفتی اور ہر دیندار مسلمان کے لیے ایک لازمی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

الغرض؛ حضرت صدر الشریعہ کا وجود اور "بہار شریعت" کی تالیف ایک ایسا آفاقی سرمایہ ہے جو علم و عمل، فکر و نظر اور عقیدہ و شریعت کی محکم بنیادوں پر امت مسلمہ کی تعمیر و ترقی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ ان کے فیضان سے روانہ ہونے والا قافلہ آج بھی رواں دواں ہے اور ان شاء اللہ مستقبل میں بھی دینِ متین کا قافلہ اسی روشنی میں اپنی منازل طے کرتا رہے گا۔

رب تعالیٰ حضرت صدر الشریعہ کی قبر پر انوار و تجلیات کی بارشیں نازل فرمائے اور ہمیں ان کے علمی و روحانی فیضان سے بھرپور حصہ عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید لانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ أفضل الصلاۃ والتسلیم

آپ کی ہے یہ زندہ کرامت جو لکھی ہے بہار شریعت

مسند علم یوں جگمگایا عرس صدر الشریعہ ہے آیا

از قلم

؛محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آبادپور کٹیہار (بہار)

المتخصص فی الفقہ الحنفی

وہ چراغ جو اندھیروں میں روشنی بانٹتے ہیں

(یومِ اساتذہ)

استاد ایک ایسا مقدس، رفعت آمیز اور فکری بالیدگی سے لبریز منصب ہے جو محض علم کی منتقلی کا ذریعہ نہیں، بلکہ روح و دل کی آبیاری، اخلاقی تشکیل، اور تہذیبی ارتقاء کا ایک زندہ و جاوید پیکر ہے۔ استاد محض ایک فرد نہیں، بلکہ ایک انجمن، ایک کاروانِ نور، اور ایک تحریکِ شعور ہوتا ہے۔ اس کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ فقط حروف کا مجموعہ نہیں، بلکہ فہم و فراست کے ستارے، بصیرت کے چراغ، اور ہدایت کے مینار ہوتے ہیں۔

وہ صرف حرف و صوت کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ قوموں کی تقدیر سنوارتا ہے، فکر و نظر اور ضمیر انسانی کو جلا دیتا ہے، اور انسان کو اس کے اصل مقامِ معرفت سے روشناس کراتا ہے۔ درحقیقت، استاد ہی وہ ستون ہے جس پر تمدن کی عمارت قائم ہے، اور وہ شمع ہے جو خود جل کر نسلوں کو منور کرتی ہے۔

وہ فقط تعلیمی اداروں میں بیٹھا ایک فرد نہیں ہوتا، بلکہ تہذیب کا محافظ، علم کا ستون، اور فکری ارتقاء کا معمار ہوتا ہے۔

ہر علم رکھنے والا شخص استاد کہلانے کا اہل نہیں ہوتا؛ استاد وہ ہے جس کے قدموں سے علم کے سوتے پھوٹیں، جس کی خاموشی میں معرفت بولے، اور جس کے کردار سے روشنی چھن چھن کر دلوں میں اترے۔

استاد وہ ہے جو الفاظ کی چمک سے نہیں، کردار کی روشنی سے دلوں کو منور کرتا

ہے۔ وہ نصیحت کرے تو لگے جیسے پھول برس رہے ہوں، وہ تنقید کرے تو سننے والا خود کو سنوارنے پر مجبور ہو جائے، وہ تربیت کرے تو روح میں تازگی، دل میں محبت، اور عقل میں وسعت پیدا ہو جائے۔

یاد رکھیں، تعلیم محض معلومات کی ترسیل نہیں، بلکہ شعور کی بیداری، اخلاق کی آبیاری، اور کردار کی تطہیر کا نام ہے۔ استاد اس پورے عمل کا محور و مرکز ہے۔

وہ اپنے شاگردوں کے دلوں میں وہ خواب بوتا ہے جنہیں اپنی دعاؤں سے سینچتا ہے، اور اپنی محنت سے پروان چڑھاتا ہے۔ شاگرد کی پرواز میں جو بلندیاں ہوتی ہیں، ان میں استاد کی قربانیوں کا لہو شامل ہوتا ہے۔

یہی رکھتے ہیں شہر علم کی ہر راہ کو روشن
ہمیں منزل پہ پہونچا کر یہ کتنے شاد ہوتے ہیں

تاریخِ اہلِ سنت کے درخشاں مینار

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی جہالت کے اندھیرے چھائے، علم کے پروانے بن کر اہلِ حق اساتذہ اٹھے۔ اہلِ سنت کی تابندہ تاریخ میں ایسے بے شمار ستارے جگمگاتے نظر آتے ہیں جنہوں نے علم و حکمت کے مینار تعمیر کیے۔

ان ہی میناروں میں ایک مینارِ نور حضرت صدرُ الشریعہ، مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کا ہے۔

آپ کی تصنیف بہارِ شریعت ایک ایسا علمی شاہکار ہے جو نہ صرف فقہ اسلامی کا انسائیکلوپیڈیا ہے، بلکہ تربیتِ امت کا لافانی ذریعہ بھی ہے۔

یہ کتاب محض ایک فقہی دستور نہیں، بلکہ ایک مربی، ایک مصلح، اور ایک مشعلِ راہ ہے، جس نے صدیوں پر محیط علمی روایت کو دوام بخشا۔ ایسی عظیم شخصیات نہ صرف علمی قدآوریاں رکھتی ہیں، بلکہ ان کی سیرت و کردار، اخلاص، بے لوثی، اور جذبہ خدمت آج بھی طلبہ، علما، اور محققین کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

یومِ اساتذہ

آج یومِ اساتذہ کے اس موقع پر، ہم ان تمام اہلِ علم، اہلِ درد، اور اہلِ دل اساتذہ کو سلامِ عقیدت پیش کرتے ہیں جنہوں نے تاریکیوں میں چراغ جلائے، ناامیدی میں امید کی کرن پیدا کی، اور نئی نسلوں کی فکر و نظر کو بلند کیا۔

ہم اپنے اساتذہ کے احسانات کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ جذبہ رکھتے ہیں کہ ان کے علم، تربیت، اور تعلیمات کو اپنے کردار میں زندہ رکھیں گے۔ ہم علم کو محض ڈگریوں تک محدود نہیں رکھیں گے، بلکہ اسے اپنے افکار و اعمال کا حصہ بنائیں گے۔

ہم خود بھی چراغ بنیں گے تاکہ اندھیروں میں روشنی بانٹنے کا سفر جاری رہے۔ کیونکہ قومیں جب اپنے اساتذہ کو فراموش کر دیتی ہیں، تو ان کا مستقبل تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہو جاتا ہے۔

سلام ان چراغوں پر
جو جلتے رہے، مگر بجھے نہیں،
جو روشن کرتے رہے، مگر تھکے نہیں،
جو سنوارتے رہے، مگر بدلے کچھ نہ مانگا۔

میرے استاد و ماں باپ اور بھائی بہن

اہل ولد و عشیرت پہ لاکھوں سلام

رب تعالیٰ ہمارے اساتذہ کو سعادت دارین سے بہرہ ور فرمائے اور ان کی علمی و روحانی فیضان سے ہمیں بھرپور حصہ عطا فرمائے۔

آمین ، بجاہ سید المرسلین ﷺ

از قلم؛

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آباد پور، کٹیہار (بہار)

المتخصص فی الفقه الحنفی

فتنوں کے دور میں ہمارا کردار

ہم ایک ایسے پُر آشوب عہد سے گزر رہے ہیں جسے بجا طور پر عصرِ فتن کہا جا سکتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جہاں باطل نت نئے چہروں میں جلوہ گر ہو رہا ہے۔ تہذیب کے پردے میں بے حیائی، روشن خیالی کے نام پر الحاد، اور ترقی پسندی کی آڑ میں دین بیزاری کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ روحانیت کے نام پر مروجہ قوالی جیسے فتنوں نے دین کی اصل روح کو مجروح کر دیا ہے۔

نفس پرستی کو فطرت، فیشن کو ثقافت، اور لذت کو کامیابی کا پیمانہ بنا دیا گیا ہے۔ حق و باطل کی تمیز دھندلا چکی ہے، اور ایمان کی روشنی سوشل میڈیا کی چکا چوند، فلمی رنگینیوں اور گمراہ کن مظاہر میں دبتی جا رہی ہے۔

یہ وہی دور ہے جس کی پیش گوئی رسولِ اکرم، نبی آخر الزمان، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی تھی

"يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ".

(ترمذی شریف: كتاب الفتن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ حديث ٢٢٦٠)

یعنی لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اس وقت دین پر قائم رہنے والا ایسے ہو گا جیسے آگ کے انگارے کو تھامے ہوئے ہو۔"

اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ یہ دور صرف سادہ گمراہی کا نہیں، بلکہ فکری اور

چالاک فتنوں کا زمانہ ہے۔ قادیانیت جھوٹی نبوت کے دعووں کے ساتھ، وہابیت ظاہر پرستی کی بے روح تعبیر کے ساتھ، اور نیچریت و الحاد عقل کے نام پر وحی کا انکار کرکے دین کی بنیادوں کو چیلنج کر رہے ہیں۔ مروجہ قوالی، جو بظاہر ذکر و فکر کے لباس میں ہے، در حقیقت ساز و سرود، رقص و موسیقی، اور عشقِ مجازی جیسے گمراہ کن عناصر کا مجموعہ بن چکی ہے۔

شادی بیاہ، میلاد، عرس اور دیگر تقریبات میں بے جا رسومات، فضول خرچیاں، آتش بازی، اور مرد و زن کا اختلاط نہ صرف دینی اقدار کی پامالی کا سبب بن رہے ہیں بلکہ معاشرتی انتشار اور روحانی زوال کو بھی جنم دے رہے ہیں۔ ایسے ماحول میں ناگزیر ہے کہ ہم دین کی اصل تعلیمات کی طرف لوٹیں، کتاب و سنت کی روشنی میں اپنے اعمال کی اصلاح کریں، بدعات و خرافات سے بچیں اور سادگی، تقویٰ اور اعتدال کو زندگی کا شعار بنائیں۔

لیکن سوال یہ ہے:

ایسے فتنہ خیز دور میں ہمارا کردار کیا ہونا چاہیے؟

اسلام محض چند عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل ضابط؟ حیات ہے۔ جب باطل قوتیں منظم ہو کر حملہ آور ہوں تو خاموشی مجرمانہ غفلت بن جاتی ہے۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم صدائے حق بلند کریں، باطل کی چالاکیوں کا پردہ چاک کریں، اور اصلاحِ امت کے فریضے کو نبھائیں۔

الحمدللہ! سیمانچل کی سرزمین سے جب جب گمراہی نے اپنے پنجے گاڑنے کی

کوشش کی ہے، تب تب ہمارے باہمت اور غیرت مند علمائے اہلِ سنت اس کے سدباب کے لیے سینہ سپر ہوئے ہیں۔

اور آج جب فتنوں کی گرد اڑ رہی ہے، تو چند دردِ دل رکھنے والے سچے محبانِ اہلِ سنت، مولانا کشف الہدی علیمی، مولانا اظہر علی امجدی علیمی، مولانا محمد علی امجدی، مولانا کیف علیمی، مولانا نور نظر علیمی، مولانا سجاد علی امجدی، مولانا مزمل اشرفی، و مولانا حماد حافظ مدثر رضوی مولانا علیم الدین علیمی اور مولانا نعیم علیمی صاحبان حق و صداقت کی شمع لیے میدانِ عمل میں اترے ہیں، اور "اصلاحِ معاشرہ اور مروجہ قوالی کا سد باب" کے نام سے ایک دینی و اصلاحی تنظیم کی بنیاد رکھی ہے۔ تاکہ عقائدِ اہلِ سنت کا تحفظ کیا جاسکے اور گمراہی کی تاریکی کو علم و حکمت کے نور سے دور کیا جاسکے۔

یہ تنظیم صرف ایک انجمن نہیں، بلکہ ایک ایسی بیداری کی تحریک ہے جو مروجہ قوالی جیسے گمراہ کن مظاہر کے خلاف ایک روحانی انقلاب کی بنیاد رکھتی ہے۔ یہ تحریک طبلہ و ساز کو ذکر کہنے والے حلقوں کی حقیقت آشکار کرتی ہے، نوجوانوں کو اسکرین کی غلامی سے نکال کر معرفتِ الٰہی کی طرف بلاتی ہے، اور عوام الناس کو بدعات و خرافات کے دلدل سے نکال کر سچے دین کی روشنی دکھاتی ہے۔

ایسے حالات میں ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت حرزِ جاں بنانی چاہیے:

"من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان".

(مسلم شریف: باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان؛ حديث ١٧٧)

یعنی تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل میں برا جانے، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

آج ضرورت ہے کہ ہم محض دل سے برا جاننے والے نہ بنیں، بلکہ ہاتھ اور زبان سے اصلاح کا فرض ادا کریں۔ باطل کے خلاف صف آرا ہوں، اور عقائد و اعمال کی اصلاح کی بھرپور کوشش کریں۔

ہم تمام علمائے اسلام، طلباء کرام، ائمہ مساجد، خطباء عظام، مدارس اہل سنت، اور ہر باشعور مسلمان سے اپیل کرتے ہیں کہ اس تحریک کا حصہ بنیں۔ آئیے! سیمانچل کی فضاؤں سے باطل کے سائے کو ختم کریں، اور توحید و رسالت، محبتِ اولیاء، عشقِ اہل بیت، اور سچے تصوف کا پرچم بلند کریں۔

اگر آج ہم نے خاموشی اختیار کی، تو کل تاریخ ہم سے سوال کرے گی۔

اللّٰھُم أرنا الحقَّ حقاً وارزقنا اتباعَهُ وأرنا الباطلَ باطلاً وارزقناَ اجتنابَهُ آمیْن ، بجاَه سیدِ الأنبیَائِ والمرسلینَ وعلی آله وصَحبِهٖ أفضل الصلاۃ والتسلیم

اظہار خیال:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آباد پور، کٹیہار (بہار)

شائع کردہ: ۲۳ مئی، ۲۰۲۵ء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت قائد

تاریخِ انسانی کے اوراق پر ایک ایسا دور بھی گزرا ہے جب انسانیت زوال کے گھور اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ تہذیب دم توڑ چکی تھی، اخلاق پامال ہو چکے تھے، ظلم و ستم، فتنہ و فساد، اور جاہلیت کی آندھیاں ہر سمت چل رہی تھیں۔ باطل نے حق کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا، جہالت نے عقل پر پردہ ڈال دیا تھا، اور طاقتور کمزوروں کو چوس رہا تھا۔

جنگ و جدال معمول بن چکی تھی، عورت کو ذلت کی علامت سمجھا جاتا تھا، انسان خون کے پیاسے اور شیطانی خرافات کے اسیر ہو چکے تھے۔ نہ کوئی اخلاقی نظام تھا نہ روحانی رہنمائی، نہ قانون باقی تھا نہ قیادت۔

دنیا ایک ایسے رہنما کی منتظر تھی جو ظلمت کو نور میں بدلے، جمود کو حرارت دے، منتشر قافلے کو منزل دکھائے، اور انسان کو انسانیت کا شعور بخشے۔ وہی لمحہ تاریخ کا ایک عظیم موڑ ثابت ہوا، جب رحمتِ الٰہی جوش میں آئی، اور صحرائے عرب کی سنگلاخ سرزمین پر ہدایت کا آفتاب طلوع ہوا جس نے ظلمت کے پردے چاک کر دیے۔

قرآن نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ

(سورة الجمعة: آیت ۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف معلم انسانیت ہی نہیں بلکہ ایک مثالی قائد، عظیم رہبر، بے مثال منتظم اور عدل وانصاف کے علمبردار بن کر جلوہ گر ہوئے۔ آپ نے نہ صرف قبیلوں کو ایک امت میں بدلا بلکہ منتشر انسانیت کو بھی ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ ایسا عظیم المرتبت، فہم وفراست سے لبریز، شجاعت، حکمت، سیاست اور تدبر سے مالا مال قائد، جو احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ہے، جن کی قیادت نے تاریخ کا رخ موڑ دیا اور دنیا کو حقیقی قیادت کا مفہوم سکھا دیا۔

قبل از نبوت قائدانہ شخصیت

معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہی سے عالمِ غیب میں ایسے آثار ظاہر ہوئے جو اس بات کا اعلان تھے کہ اب فرسودہ نظام اور توہم پرستی کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نئ تہذیب اور الہی نظم ونسق کے علمبردار بن کر تشریف لائے، اس لیے آپ کی ولادت سے ہی جاہلی نظام میں لرزہ طاری ہو گیا۔

فارس کے آتش کدہ کی آگ جو صدیوں سے جل رہی تھی بجھ گئی، اور کلیساؤں کے ستون ہلنے لگے۔ اہلِ عقل حیران تھے کہ یہ تبدیلی کیوں کر آ رہی ہے؟ چالیس برس تک کے طویل خاموش دور میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی صداقت، دیانت، بردباری اور حسنِ اخلاق سے قوم کا اعتماد حاصل کیا۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى

(سورۃ الضحیٰ: آیت ۷)

اور اُس نے تمہیں اپنی محبت میں گم پایا، تو اپنی طرف راہ دی۔

جب فاران کی چوٹیوں سے اعلانِ رسالت ہوا تو نہ صرف عرب بلکہ پورا عالم بیدار ہوا۔ وہ تہذیب جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے بعد معدوم ہو چکی تھی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے ایک بار پھر زندہ ہو گئی۔

رحمت للعالمین اور مکمل نظامِ حیات

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت صرف عرب ہی نہیں بلکہ تمام عالم کے لیے رحمت بن کر ہوئی؛

وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِينَ

(سورۃ الانبیاء: آیت ۱۰۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ایسا نظامِ حیات عطا کیا جو فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ، اور دین و دنیا دونوں کا جامع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و سیاست، عبادت و قیادت، روحانیت و حاکمیت کو ایک ہی مرکز میں جمع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں مذہبی و ریاستی قیادت کا حسین امتزاج موجود ہے۔

قرآن حکیم نے نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت کو آسمانی وحی سے مربوط قرار دیا۔

رب متعال کا ارشاد باری ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْىٌ يُوحَىٰ

(سورۃ النجم: آیت ۳/۴)

لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

(سورة النساء: آیت ۵۹)

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

(سورة النساء: آیت ۸۰)

آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان عربوں میں ایک مثالی ریاست قائم کی جنہیں حکومت، قانون، اور تہذیب کا شعور تک نہ تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشاورت، عدل، دفاع، سفارت، اور حکمت عملی سے ایک جامع سیاسی و اخلاقی نظام قائم کیا۔ آپ کا ہر اقدام امت کے لیے رہنما اصول بنا۔

شفقت و عدل پر مبنی قیادت سازی

قائد اعظم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیادت شفقت و نرمی سے معمور تھی:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ

(سورة آل عمران: آیت ۱۵۹)

لیکن عدل کے تقاضے پر سختی بھی فرماتے: ایک موقع پر پیغمبر اسلام ارشاد فرماتے ہیں

والذي نفسي بيده، لو ان فاطمة فعلت ذلك، لقطعت يدها.

(كتاب الْحدودِ: باب إقامة الْحدود على الشّريف والْوضِيع؛ حديث ٦٧٨٧)

یعنی مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف خود ایک مثالی قائد تھے بلکہ آپ نے قیادت سازی کی ایسی اعلیٰ تربیت فراہم کی کہ آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین خود عظیم رہنما بن کر ابھرے۔

اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مطالعہ کریں تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ ہر ایک نے اپنے اپنے مقام پر قیادت کا قابلِ رشک مظاہرہ کیا۔

ریاست مدینہ: عملی سیاسی نظام

ریاست مدینہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت، انتظامی حکمت اور سماجی عدل کا کامل ماڈل تھی۔ وہاں اقلیتوں کو تحفظ، تعلیم کو فروغ، بیت المال کی شفافیت، اور انسانی حقوق کی پاسداری موجود تھی۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

(سورة القلم : آیت ٤)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امامُ القائدین، معلمِ انسانیت اور رحمۃٌ للعالمین ہیں۔ وہ مثالی رہنما جن کی قیادت قیامت تک انسانیت کے لیے مینار؟ نور بنی رہے گی۔

حقیقت یہی ہے کہ اگر قیادت کو کردار، عدل، شفقت، حکمت اور اخلاص جیسے ارفع و اعلیٰ پیمانوں پر پرکھا جائے، تو محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہر معیار

پر کامل واکمل اور بے مثال نظر آتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، رہتی دنیا تک ہر دور کے قائدین کے لیے ایک ابدی منشورِ ہدایت اور کامل ترین نمونہ عمل ہے

یا صاحب الجَمال وَیا سیدَ البشر
منْ وَجْھك الْمنِیر لقدْ نور الْقمَر
لا یمکن الثناء کما کَان حقّه
بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

از قلم؛
مفتی اشفاق عالم امجدی علیمی
بچباری، آبادپور، کٹیہار (بہار)
المتخصص فی الفقه الحنفی

دل میں محبت: I Love Muhammad صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہر مسلمان کے قلب و جگر میں ایک ایسی مقدس شمع فروزاں ہوتی ہے جس کی روشنی کبھی مدھم نہیں پڑتی، جس کی حرارت کبھی کم نہیں ہوتی اور جس کا تعلق براہِ راست ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوتا ہے۔ یہی وہ عظیم محبت ہے جو ایمان کی جان، عقیدے کی بنیاد اور بندۂ مؤمن کے روحانی وجود کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ چنانچہ اسلام نے جس محبت کو تمام محبتوں پر فوقیت عطا کی ہے وہ محبتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔

آقائے کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے:

لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين.

یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اپنے والد، اپنی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

حدیثِ مبارکہ اس حقیقت کو روزِ روشن کی طرح واضح کرتی ہے کہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی اختیاری یا ثانوی چیز نہیں بلکہ ایمان کی اساس اور عقیدے کا بنیادی تقاضا ہے۔ جس دل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت راسخ ہوگی، وہی دل حقیقتِ ایمان کی لذتوں سے آشنا ہوگا اور وہی روح قربِ الٰہی کی منزلوں کی جانب گامزن ہوگی۔

آج جب دنیا بھر کے مسلم "I Love Muhammad" صلی اللہ علیہ وسلم کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو در حقیقت وہ اپنے ایمان کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ صرف چند الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل عقیدہ، ایک زندہ احساس اور ایک دائمی وابستگی کا اعلان ہے۔

یہ نعرہ کسی سیاسی جماعت کا منشور نہیں، کسی وقتی تحریک کا حصہ نہیں اور نہ ہی کسی دنیاوی مفاد کی تکمیل کا ذریعہ ہے، بلکہ یہ اس محبت کا اظہار ہے جو چودہ صدیوں سے مسلمانوں کے دلوں میں موجزن ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

مسلمانوں کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہر میدان میں عظمت بخشی۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگیاں محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا کی ہر چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی خاک کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اشارے پر جانیں قربان کر دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک فرمان پر اپنی خواہشات کو ترک کر دیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کو اپنی زندگی کا مقصد و ہدف سمجھتے تھے۔

آج بھی دنیا کے کسی بھی خطے میں رہنے والا مسلمان زبان، نسل، رنگ اور قومیت کے تمام امتیازات سے بلند ہو کر ایک ہی آواز میں کہتا ہے : "I Love Muhammad صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"۔ یہ آواز کسی ایک قوم یا ملک کی نہیں بلکہ پوری امتِ مسلمہ کے دل کی آواز ہے۔

تاہم محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا صرف نعرے بلند کرنا نہیں بلکہ اس محبت کو عمل کے سانچے میں ڈھالنا بھی ہے۔ اگر ہماری زبان محبت کا دعویٰ کرے لیکن ہمارے اعمال سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوں تو یہ محبت اپنے حقیقی اثرات سے محروم رہ جائے گی۔ سچی محبت ہمیشہ اطاعت کا تقاضا کرتی ہے اور حقیقی عشق ہمیشہ محبوب کے طریقے کو اپنانے پر آمادہ کرتا ہے۔

عشقِ مصطفیٰ اور عصرِ حاضر کے تقاضے

آج بعض مواقع پر "I Love Muhammad" صلی اللہ علیہ وسلم جیسے جملے کے اظہار پر اعتراضات کیے جاتے ہیں یا مختلف قسم کی رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں، لیکن مسلمان کا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کسی ظاہری رکاوٹ کا محتاج نہیں۔ یہ تعلق دل کا تعلق ہے، ایمان کا تعلق ہے اور روح کا تعلق ہے، جسے کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی۔

ایسے حالات میں مسلمانوں کو جذبات کے ساتھ ساتھ حکمت، صبر اور بصیرت کا بھی مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اشتعال انگیزی، بے صبری اور غیر ذمہ دارانہ رویے نہ دین کے مفاد میں ہیں اور نہ ہی امت کے حق میں۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیماتِ رحمت، عدل، صبر، برداشت اور حسنِ اخلاق کو اپنی زندگی میں نافذ کریں۔

محبت رسول کا عملی اظہار

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم تقاضا مسجدوں کو آباد کرنا بھی ہے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے مسلمان محبت کے دعوے تو کرتے ہیں لیکن نمازوں میں غفلت برتتے ہیں اور مسجدوں سے اپنا تعلق کمزور کر بیٹھتے ہیں۔

لہٰذا محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترین اظہار یہ ہے کہ ہم اپنی نسلوں کو سیرتِ مصطفیٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے جوڑیں، اپنے گھروں کو درود و سلام سے آباد کریں، اپنے کردار کو سنتِ نبوی کا آئینہ بنائیں، اپنی گفتگو کو اخلاقِ مصطفوی سے مزین کریں اور اپنے معاملات میں دیانت، امانت اور انصاف کو فروغ دیں۔

جب ہمارے اعمال سیرتِ رسول ﷺ کے مطابق ہوں گے تو ہماری زبان کا ہر نعرہ مؤثر ہوگا اور ہمارے دل کی ہر دھڑکن محبتِ مصطفیٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی گواہی دے گی

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے ایمان کو مضبوط کریں، اپنے عقیدے کو محفوظ رکھیں اور اپنی محبت کو عمل کے سانچے میں ڈھالیں۔ "I Love Muhammad ﷺ" صرف ایک جملہ نہیں بلکہ ایک عہد ہے، ایک پیغام ہے اور ایک ایسی روحانی وابستگی کا اعلان ہے جو مسلمان کو اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑے رکھتی ہے۔

رب تعالیٰ امت مسلمہ کو ہر قسم کے آفت وبلا سے محفوظ رکھے اور ان کی جان، مال، عزت وآبرو کی حفاظت وصیانت فرمائے۔

آمین بجاه سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه افضل

الصلاۃ والتسلیم

آوازِ ضمیر:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آباد پور، کٹیہار (بہار)

فاضل: جامعہ علیمیہ جمد اشاہی بستی

اردو کی حقیقت: لغت سے نہیں، رائج معنویت سے

اردو زبان صرف لغات و الفاظ کا مجموعہ نہیں، بلکہ نازک ذوق اور ثقافتی رنگ کی عکاس اور تاریخی گہرائی کی نمائندہ ہے۔ یہ زبان ہر دور کے علمی اور ادبی خزانے کو اپنے اندر سمو کر اپنے فکری اور معنوی ذخیرے میں اضافہ کرتی رہی ہے۔

اردو کے الفاظ، چاہے ان کے ماخذ عربی، فارسی، ترکی، سریانی، پنجابی یا پوربی ہوں، اردو میں آکر بولنے والوں کی زبان میں رچ بس جاتے ہیں اور زبان کے فکری و ادبی ذخیرے کو بڑھاتے ہیں۔

اردو میں لفظ کی حقیقت اس کے اصل ماخذ سے نہیں، بلکہ اس کے رائج استعمال سے جانی جاتی ہے۔ جو لفظ زبانِ اردو میں بس جائے اور عوام کی روزمرہ گفتگو کا حصہ بن جائے، وہ اردو کا لازمی حصہ بن جاتا ہے۔ اصل کے مطابق ہو یا برعکس، زبان کے اصول کے مطابق وہ لفظ صحیح ہے۔

معاصر ادیبوں اور علمائے کرام نے بھی اس بات پر زور دیا ہے کہ اردو میں لفظ کی حیثیت لغات یا ماخذ سے نہیں، بلکہ رائج استعمال اور اہل زبان کے علم سے متعیّن ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لفظ اپنے رائج معنوں کے ذریعے زندہ رہتا ہے اور اردو کے علمی و فکری ذخیرے کو مالا مال کرتا ہے۔

معروف ادیب ان شاء اللہ خاں انشاء دریائے لطافت میں فرماتے ہیں:

"ہر لفظ جو اردو میں مشہور ہو گیا، چاہے وہ عربی ہو، فارسی ہو، ترکی ہو، سریانی ہو، پنجابی ہو یا پوربی، از روئے اصل غلط ہو یا صحیح، وہ لفظ اردو کا لفظ ہے۔ اگر اصل کے

موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے اور اگر خلاف اصل مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے۔ اس کی صحت و غلطی اردو کے استعمال پر موقوف ہے، کیونکہ جو کچھ خلاف اردو ہے وہ غلط ہے، گو اصل میں وہ صحیح ہو، اور جو کچھ موافق اردو ہے وہ صحیح ہے، خواہ اصل میں صحت نہ رکھتا ہو۔"

(دریائے لطاف: صفحہ، 12، آفتاب اکیڈمی، اردو بازار موہن روڈ، کراچی)

اسی طرح سیدی سرکار اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاویٰ رضویہ شریف میں فرماتے ہیں کہ

"صدہا الفاظ عربی ہیں کہ اردو میں غیر معنی عربی پر مستعمل ہیں ان معانی کو قاموس میں تلاش کرنا حماقت ہے، بلکہ اردو کے اہل زبان سے دریافت کرنا چاہیے۔"

(فتاویٰ رضویہ: جلد، 29 صفحہ، 87، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ لاہور)

اردو زبان کی حقیقت پسندی اور علمی وسعت اسے محض الفاظ کے مجموعے سے بلند مقام عطا کرتی ہے۔ ہر لفظ، چاہے اس کا ماخذ کسی اور زبان میں ہو، اردو کے رائج استعمال میں آکر زبان کی زندگی اور فکری وسعت میں اضافہ کرتا ہے۔

لہٰذا یہ کہنا بجا ہوگا کہ اردو صرف بول چال یا ادب کی زبان نہیں، بلکہ ایک ثقافتی اور علمی ورثہ ہے جو ہر دور میں نئے معنی، نئے رنگ اور توانائی جذب کرتی رہی ہے۔

اردو آج بھی اپنے رائج الفاظ کے ذریعے زندہ ہے اور ہر دور کے اہل زبان کے لیے علمی و فکری روشنی کا سرچشمہ ہے۔

یوں اردو کی خود مختاری اور رائج معنوں کی اہمیت اس بات کا آئینہ دار ہے کہ

زبان صرف الفاظ نہیں، بلکہ ایک زندہ تہذیب، علم و ادب اور عوامی شعور کا مجموعہ ہے، جو ہر نسل کے ساتھ ارتقا پذیر رہتی ہے اور ہر آنے والے دن کے ساتھ اپنی وسعت میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔

از قلم؛
محمد اشفاق عالم امجدی علیمی
بچباری، آبادپور، کٹیہار (بہار)
المتخصص فی الفقه الحنفی

نوجوان نسل اور دینی بیداری کی ضرورت

امتِ مسلمہ کا سرمایۂ افتخار اس کی نوجوان نسل ہے۔ تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جب بھی نوجوان مقصدِ حیات کے شناسا، ایمان و یقین کے پیکر اور قربانی کے خوگر بنے، تب امت نے عروج پایا، فتوحات کی تاریخ رقم کی اور باطل کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کیا۔

لیکن جب یہی نوجوان غفلت کی نیند سو گئے، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید میں بہک گئے اور مقصدِ زندگی سے غافل ہو گئے، تب امت زوال و نکبت کا شکار ہوئی، عزت و وقار خاک میں مل گئے اور دنیا کی نظروں میں ذلیل و خوار ٹھہری۔

جوانی زندگی کا سب سے قیمتی اور سنہری دور ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جس میں فکر کی پرواز، جدوجہد کی حرارت اور ایثار و قربانی کی طاقت اپنے کمال پر ہوتی ہے۔ لیکن صد افسوس! آج کا نوجوان اپنی اصل پہچان، اپنی میراث اور اپنی روحانی اساس کو فراموش کر بیٹھا ہے۔

سوشل میڈیا کی خیرہ کن چمک نے اسے لہو و لعب کا اسیر بنا دیا ہے، مغربی ثقافت نے اس کی زبان، لباس اور ذہن کو مسموم کر دیا ہے، اور مادہ پرستی کی دوڑ نے اس کی فکر و تمنا کو صرف دولت و شہرت تک محدود کر دیا ہے۔

نتیجتاً وہ مسجد کے نور سے محروم اور موبائل کی اسکرین کا غلام ہے؛ قرآن سے غافل اور فیشن کا دلدادہ ہے؛ سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ناواقف اور فلمی ہیروز کا شیدائی ہے۔ یہ المیہ محض لمحۂ فکریہ نہیں بلکہ پوری امت کے لیے ایک ناقوسِ

خطر ہے۔

وقت کا تقاضا ہے کہ نوجوانوں کے دل و دماغ میں ایمان کی حرارت اور دین کی بیداری پیدا کی جائے۔

انہیں بتایا جائے کہ علم کا اصل مقصد نوکری یا دنیاوی منفعت نہیں بلکہ معرفتِ الٰہی اور خدمتِ دین ہے؛ نماز محض ایک رسم نہیں بلکہ سکونِ قلب و راحتِ جاں کا سرچشمہ ہے؛ قرآن محض کتاب نہیں بلکہ زندگی کی رہنمائی اور ہدایت کا مینار ہے؛ اور سیرتِ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی وہ واحد راستہ ہے جو انسان کو عزت، کامیابی اور سرخروئی عطا کرتا ہے۔

نوجوانوں کے ذہنوں میں یہ شعور بیدار کرنا ہوگا کہ وہ اسلام کے محافظ، ملت کے معمار اور دینِ حق کے سپاہی ہیں۔

یہ ذمہ داری صرف نوجوانوں پر نہیں بلکہ پورے معاشرے پر عائد ہوتی ہے۔ والدین اگر گھروں کو دینی ماحول سے معطر کریں، اساتذہ اگر نصاب کے ساتھ کردار سازی پر بھی توجہ دیں، اور علماء اگر حکمت و بصیرت کے ساتھ جدید تقاضوں کو سامنے رکھ کر دین کی تعلیمات نوجوانوں تک پہنچائیں تو یقیناً ایک ایسی بیدار اور صالح نسل تیار ہوگی جو نہ صرف مغربی فتنوں کا مقابلہ کر سکے گی بلکہ اسلام کے پرچم کو بلند کر کے دنیا کو روشنی عطا کرے گی۔

اگر آج ہم نے اپنی نوجوان نسل کو قرآن و سنت کے سائے میں پروان نہ چڑھایا تو کل یہ نسل مغربی نظریات کے طوفان میں بہ جائے گی۔

لیکن اگر آج ہم نے ان کے دلوں کو ایمان کی حرارت اور عمل کی طاقت سے

معمور کر دیا تو یہی نوجوان کل کے قائد، مصلح اور دین کے علمبر دار بنیں گے۔ یہی ان کا اصل مقام ہے اور یہی امت کے عروج وبقا کی ضمانت ہے۔

از قلم:
محمد اشفاق عالم امجدی علیمی
بچباری، آباد پور، کٹیہار (بہار)
المتخصص فی الفقه الحنفی

اے نوخیزانِ علم! قلم کو اپنا ساتھی بناؤ

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن، اپنا تو بن

انسان کی زندگی کا سب سے حسین اور قیمتی دور اس کا طالبِ علمی کا زمانہ ہے۔ یہی وہ دور ہے جب ذہن و دل دونوں تازگی، حرارت اور جذبے سے معمور ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کہ یہی زمانہ اکثر و بیشتر ضائع کر دیا جاتا ہے۔

نہ اپنے مقصدِ تعلیم کی صحیح پہچان ہوتی ہے، نہ اپنی صلاحیتوں کی قدر کی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ جب فراغت کے دن آتے ہیں، جب زمانہ کسی کارکردگی کا مطالبہ کرتا ہے، تو بہت سے حضرات خالی ہاتھ نظر آتے ہیں۔

اکثر مشاہدہ میں آتا ہے کہ بعض حضرات جب تعلیم سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں یا منزلِ فراغت تک پہنچ جاتے ہیں، تو ان میں تحریر و تقریر کی ابتدائی صلاحیت بھی مفقود نظر آتی ہے۔

چند سطریں لکھنے میں سخت دشواری محسوس کرتے ہیں، ایک مختصر درخواست بھی تحریر کرنی ہو تو دوسروں کی دستگیری کے محتاج بن جاتے ہیں۔ پھر حسرت کے ساتھ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ

"کاش ہم نے طالب علمی کے زمانے میں قلم سے رشتہ جوڑ لیا ہوتا، کچھ لکھنے پڑھنے کی مشق جاری رکھی ہوتی، تو آج یہ نوبت نہ آتی!"

علم ایک روشنی ہے جو اندر سے پھوٹتی ہے، ایک قوتِ محرکہ ہے جو انسان کو فکر،

تخلیق اور خدمت کے میدانوں میں آگے بڑھاتی ہے۔ اگر یہ روشنی طالبِ علم کے اندر نہیں جاگتی تو اس کی ظاہری تعلیم بے جان ہے۔

آج کے دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ طلبہ صرف کتابوں کے حافظ نہ بنیں بلکہ فکر و فہم کے پیکر بنیں، مطالعہ کو اپنا ذوق بنائیں، اور مشاہدہ و تجزیہ کو اپنی عادت۔

قلم کی تربیت: علم کا تکملہ

کتابیں پڑھنا ایک بات ہے، مگر ان سے نتیجہ اخذ کرنا، تحریر میں ڈھالنا اور بیان کی قوت پیدا کرنا ایک الگ درجہ رکھتا ہے۔ جو طالبِ علم مطالعہ کے ساتھ قلم کا رشتہ جوڑ لیتا ہے، وہی آگے چل کر صاحبِ نظر اور صاحبِ اثر بنتا ہے۔

اسی موقع پر ایک حسین یاد ذہن کے دریچوں پر دستک دیتی ہے۔

جب میں جماعت ثامنہ میں مرکز علم و فن دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی میں زیرِ تعلیم تھا، تو جشن دستار فضیلت کے موقع پر میں نے ایک مختصر کتاب تحریر کی، جس کا عنوان تھا: "مسئولیات الطلّاب للمدارسِ الاسلامیہ **المعروف به** طلبہ مدارس اور ان کی ذمہ داریاں۔

دارالعلوم کے سالانہ جلسۂ دستار بندی کے پُر بہار موقع پر، استاذِ گرامی ادیبِ اریب، حضرت علامہ مفتی طیب حسین قادری علیمی کی نظامت میں، اس کتاب کی رسمِ اجرا ماہرِ لسان و قلم، مصنفِ کتبِ کثیرہ، حضرتِ علامہ مفتی کمال احمد علیمی نظامی دامت برکاتہم العالیہ کے دستِ مبارک سے انجام پائی۔

دورانِ اجرا حضرت مفتی صاحب نے ایک نہایت مختصر مگر بے حد قیمتی نصیحت فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

"میں تمام طالبان علوم نبویہ سے گزارش کرتا ہوں کہ اس طرح کی کوششیں کرتے رہیں۔ نہ تقریر آپ کو زندہ رکھ سکتی ہے اور نہ ہی دیگر مصروفیات۔ یہی وہ چیز ہے جو آپ کو زندگی عطا کرے گی اور آپ ہمیشہ کے لیے تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہو جائیں گے۔"

یقیناً! حضرت کے یہ الفاظ روح کو جھنجھوڑ دینے والے اور دلوں کو مہمیز دینے والے تھے۔ یہ جملے میرے دل میں نقش ہو گئے اور آج تک میری علمی و تحریری زندگی کے لیے مشعلِ راہ بنے ہوئے ہیں۔

تحریر: ایک فکری ریاضت

تحریر واقعی ایک ہنر ہے، مگر یہ ہنر محنت، صبر اور تسلسل چاہتا ہے۔

قلم میں روانی، جملوں میں تاثیر، اور خیالات میں بلندی، یہ سب یکایک نہیں آتے، بلکہ مسلسل مطالعے، مشق اور مشاہدے سے جنم لیتے ہیں۔

اگر آپ روزانہ چند سطور بھی لکھنے کی عادت ڈال لیں — چاہے وہ مطالعے کا خلاصہ ہو، کسی سبق کی تشریح ہو، یا کسی کتاب پر تاثرات — تو یہی معمول کل آپ کی تحریر کا سرمایہ اور آپ کی علمی شخصیت کی بنیاد بن جائے گا۔

یاد رکھیے! تحریر ایک طرح کی فکر کی ریاضت ہے۔ جیسے جسم ورزش سے مضبوط ہوتا ہے، ویسے ہی ذہن تحریر سے نکھرتا ہے۔ جو شخص لکھتا ہے وہ دراصل اپنے

خیالات کے انتشار کو ترتیب دیتا ہے، اور اپنے علم کو دوام بخشتا ہے۔

وقت کی قدر: کامیابی کی اساس

دنیا میں ہر کامیاب انسان کی زندگی میں وقت کی قدر کا اصول نمایاں نظر آتا ہے۔ وقت اگر ضائع ہو جائے تو واپس نہیں آتا۔ آج کا دن اگر نکل گیا تو کل کا دن کسی اور کا ہو گا۔

طالبِ علم کے لیے وقت ہی سب سے بڑی دولت ہے۔ جو اپنے وقت کو سنجیدگی، نظم، اور ہدف کے ساتھ استعمال کرتا ہے، وہی کل کا رہنما بنتا ہے۔

اے نوخیزانِ علم!

اسی لیے میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اب بھی وقت ہے۔ غفلت و تساہل کے پردے چاک کیجیے، اپنی علمی و فکری صلاحیتوں کو جِلا بخشیے۔

یہ دور آسان نہیں، مگر یہ دور مواقع سے بھی خالی نہیں۔ آج اگر آپ نے قلم کو اپنا ساتھی بنا لیا، مطالعے کو اپنی لذت بنا لیا، اور محنت کو اپنی عادت بنا لیا۔ تو یقین مانیے! آنے والا کل آپ کے نام ہو گا۔

دنیا انہی کو یاد رکھتی ہے جو اپنے لیے کچھ کر دکھاتے ہیں، جو محنت کے چراغ روشن کرتے ہیں، جو وقت کی ریت پر اپنے نقش چھوڑ جاتے ہیں۔

اگر آج آپ نے اپنی صلاحیت کو پہچان لیا، خودی کے راز کو جان لیا، اور مسلسل محنت کو شعار بنا لیا، تو وہ دن دور نہیں جب دنیا آپ کی تحریروں کی منتظر ہو گی، آپ کی

تقریروں سے متاثر ہوگی، اور آپ کی صحبت کو اپنے لیے باعثِ سعادت جانے گی۔

خیر خواہ:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آباد پور، کٹیہار (بہار)

شائع کردہ: 28 اکتوبر، 2025ء

آگے پڑھو گے، پیچھے پڑھ آئے ہو:

مدارس کا خاموش المیہ

تعلیم...... یہ محض کتب بینی یا سبق خوانی نہیں بلکہ نسلوں کی فکری، روحانی اور اخلاقی تعمیر کا وہ نازک مرحلہ ہے جس پر امت کا مستقبل استوار ہوتا ہے۔ استاد محض معلّم نہیں بلکہ رہبر، معمار اور مشعل بردار ہوتا ہے۔ شاگرد صرف قاری یا حافظ نہیں بلکہ وہ چراغ ہے جسے علم کے روغن سے جلنا ہے اور بصیرت کی روشنی پھیلانی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے:

کیا آج ہمارے مدارس میں یہ چراغ روشن ہو رہے ہیں؟

اس فکری اضطراب کی چنگاری اُس وقت بھڑکی جب نازشِ فکر و فن ماہر شعر و سخن، مولانا جسیم اکرم مرکزی صاحب کی مختصر مگر گہری تحریر "آگے پڑھو گے، پیچھے پڑھ آئے ہو" نظروں سے گزری۔ ماشاءاللہ! موصوف نے سادہ مگر پُر تاثیر انداز میں ایک گہرے المیے کی نشان دہی کی، جسے پڑھ کر احساسات میں ہلچل مچ گئی اور قلم بے ساختہ حرکت میں آگیا۔

یہ المیہ کیا ہے؟

یہ ہے تعلیمی تضاد "آگے پڑھو گے" اور "پیچھے پڑھ آئے ہو" جیسا ایک خاموش مگر زہریلا رویہ، جو طلبہ کی علمی پرواز کو پَروں سے محروم کر دیتا ہے۔

جب ایک ذہین طالب علم اعدادیہ تا رابعہ میں سوال کرتا ہے: "حضرت!

یہاں ایسا کیوں ہے؟ اس کی بنیاد کیا ہے؟"

توجواب آتا ہے:

"ابھی چھوڑو، آگے پڑھ لو گے!"

اور جب وہی طالب علم خامسہ تا ثامنہ میں دوبارہ سوال کرتا ہے: "یہ ترکیب کیوں یوں ہے؟ یہ قاعدہ کیا مطلب رکھتا ہے؟"

توکہا جاتا ہے:

"یہ سب توتم پیچھے پڑھ آئے ہو!"

تواب وہ طالب علم کہاں جائے؟ کب سوال کرے؟ کب سمجھے؟ اور کب علم میں پختگی پائے؟

یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب ایک جستجو رکھنے والا ذہن ٹوٹ جاتا ہے، دل بجھ جاتا ہے، اور علم سے رغبت دم توڑ دیتی ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے:

سوال کرنا جرم نہیں، علم کی پہلی سیڑھی ہے!

جیسا کہ کہا گیا:

"العِلمُ باب مُقفَل مِفتاحه المسئلة".

یعنی علم ایک بند دروازہ ہے اور سوال کرنا اس کی چابی ہے۔

معلم کائنات کا فرمان عالیشان:

"شِفَاءُ العِيِّ السُّؤَالُ".

یعنی جہالت کا علاج سوال ہے۔

ابوداؤد شریف : کتاب الطھارۃ؛ باب فی المجروح یتیمم، حدیث ۳۳۶)

ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا؛ "آپ نے اتنا علم کیسے حاصل کیا؟"

فرمایا؛

"بلسانٍ سَؤُولٍ و قلبٍ عقولٍ".

یعنی سوال کرنے والی زبان اور سمجھدار دل کے ذریعے۔

حضرت امام اصمعی رحمہ اللہ نے اپنے علمی کمال کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا؛

"بكثرةِ سؤالي و تلقفي الحكم الشّرود".

یعنی سوالات کی کثرت اور حکمتوں کو پُوری توجہ سے اخذ کرنے کی بدولت۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا؛

قال مجاهد : "لا يَتعلَّم العلم مستحْي ولا مستكْبر".

(بخاری شریف : کتاب العلم، باب الحیاء فی العلم؛ حدیث ۱۳۰)

یعنی علم وہ نہیں حاصل کر سکتا جو شرمائے یا تکبر کرے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں؛ "جن باتوں کے بارے میں سوال کرنے سے شرمایا، ان سے آج بھی ناآشنا ہوں!"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛

"زيادةُ العلمِ الابتغاءُ و دركُ العلمِ السؤالُ، فتَعلَّمْ ما جَهِلتَ و اعمَلْ بما عَلِمتَ".

علم میں اضافہ طلب سے ہوتا ہے، اور مہارت سوال سے حاصل ہوتی ہے؛ لہٰذا جو نہیں جانتے ہو، سیکھو، اور جو جانتے ہو، اس پر عمل کرو۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے:

"العِلم خَزائن و مفتاحُها السُّؤال، فسَألُوا يرحمكم الله.

(كنز الفوائد جلد2 صفحه 107، للامام ابى الفتح الشيخ محمد بن على بن عثمان مطبوعه دارالاضواء، بيروت)

یعنی علم خزانہ ہے اور سوال اس کی چابی؛ سوال کرو، اللہ تم پر رحم کرے؛ اس سے چار لوگ اجر پاتے ہیں: سوال کرنے والا، جواب دینے والا، سننے والا، اور محبت کرنے والا۔

مگر افسوس!

ہمارے تعلیمی ماحول میں سوال کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

استاد اگر سوال سنتا ہے تو چہرے پر ناگواری، لہجے میں طنز یا جواب میں بے زاری ہوتی ہے۔

حاصل؟

چار سال "آگے پڑھ لو گے" میں ضائع...

چار سال "پیچھے پڑھ آئے ہو" کے طعنے میں تباہ...

اور ایک سال "اب کیا کریں؟" کے سوال میں گم...

یعنی نو(9) سال کا فکری جمود!

ذمہ داری کس کی؟

اساتذہ کی؟

نظامِ مدارس کی؟

طلبہ کی؟

حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک اپنی جگہ پر جواب دہ ہے۔

اگر اساتذہ وارثانِ انبیاء ہیں تو محض متون کی تدریس نہ کریں بلکہ اذہان کی آبیاری کریں، سوالات کو خوش دلی سے قبول کریں، تحقیق کی فضا قائم کریں، اور محبت سے رہنمائی کریں۔

اگر طلبہ کو جواب نہ ملے تو مایوس نہ ہوں! سوال کرنا نہ چھوڑیں، تلاش کو جاری رکھیں، اور علم کا دروازہ خود بند نہ کریں۔ کیونکہ: "جس نے سوال چھوڑا، اس نے علم کا دروازہ خود بند کیا!"۔

...آئیے ہم سب یہ عہد کریں کہ ہم اس روشنی کو بجھنے نہ دیں!

اب وقت ہے کہ ہم خاموش المیوں پر خاموشی توڑ دیں، اور مدارس کو فکر کا قافلہ، اور تعلیم کو تحقیق کا سفر بنا دیں۔

کیونکہ سوال زندہ رہے گا تو شعور زندہ رہے گا، اور شعور زندہ رہے گا تو دین و علم کی راہیں کبھی تاریک نہ ہوں گی۔

خدائے متعال حضور معلم کائنات کے صدقے ہمارے اساتذہ کو تحقیق کا ذوق، طلبہ کو سوال کی جرأت، اور نظامِ تعلیم کو بصیرت و حکمت عطا فرمائے۔

ہمیں ایسا فکری ماحول نصیب ہو جہاں سوال دبایا نہ جائے بلکہ پروان چڑھایا جائے،

جہاں علم رٹنے کا نہیں، سمجھنے کا نام ہو — اور جہاں "آگے پڑھو گے" اور "پیچھے پڑھ آئے ہو" کا تضاد ختم ہو کر "اب سمجھو، سوال کرو، اور آگے بڑھو" کا ماحول بن جائے۔

آوازِ ضمیر:
محمد اشفاق عالم امجدی علیمی
بچباری، آبادپور، کٹیہار (بہار)
شائع کردہ: ۲۷ جون 2025ء

علم صرف و نحو: اہمیت و ضرورت

قرآن و سنت کے معانی و مطالب تک صحیح رسائی عربی زبان کے قواعد اور اس کے دقیق اسرار سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے عربی زبان کے بنیادی علوم، خصوصاً علمِ صرف اور علمِ نحو کو تمام علومِ اسلامیہ کی اساس اور محور قرار دیا ہے۔

اہلِ علم کا مشہور مقولہ ہے:

''الصرفُ أُمُّ العلوم، والنحوُ أبوها''

یعنی علمِ صرف تمام علوم کی ماں ہے اور نحو اس کا باپ۔ یہ مختصر سا مقولہ اپنے اندر ایک عظیم علمی فلسفہ سموئے ہوئے ہے۔ علم صرف الفاظ کی ساخت، اشتقاق ابواب اور معانی میں ہونے والی تبدیلیوں کا علم ہے، جبکہ علم نحو الفاظ کو جملے میں صحیح مقام دینے، ان کے اعراب متعیّن کرنے اور کلام کے درست مفہوم تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ اگر علمِ صرف الفاظ کو صحیح قالب عطا کرتا ہے تو علمِ نحو انہیں درست اسلوب کلام میں پرو دیتا ہے۔ انہی دونوں علوم کے امتزاج سے عبارت میں حسن، فہم، وسعت اور تحقیق میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"من تبحر (تعلم) في علم النحو يهدى إلى كل العلوم."

یعنی جو شخص علمِ نحو میں گہرائی پیدا کر لیتا ہے، اس کے لیے دیگر علوم کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں۔

اسی طرح کہا گیا ہے:

"النحو في الكلام كالملح في الطعام."

یعنی جس طرح کھانے میں نمک کی حیثیت ہے، اسی طرح گفتگو اور تحریر میں علمِ نحو کی حیثیت ہے۔

مزید یہ حقیقت بھی بیان کی گئی ہے:

"من حرم الأصول حرم الوصول."

یعنی جو اصولوں سے محروم رہا، وہ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ کسی بھی عظیم عمارت کی پائیداری اس کی مضبوط بنیاد پر منحصر ہوتی ہے۔ اگر بنیاد کمزور ہو تو بلند و بالا عمارت بھی زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتی۔ بعینہٖ علومِ اسلامیہ کی پوری عمارت علمِ صرف و نحو کی مضبوط بنیاد پر استوار ہے۔ قرآن کریم، حدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اصولِ حدیث، فقہ اصولِ فقہ، تفسیر، عقائد، بلاغت، ادب اور دیگر تمام فنون میں مہارت حاصل کرنے کے لیے علمِ صرف و نحو ناگزیر ہے۔

جو طالبِ علم ابتدا ہی میں ان علوم میں مہارت حاصل کرلیتا ہے، اس کے لیے بعد کے تمام علوم سہل، دل نشیں اور قابلِ فہم ہو جاتے ہیں، جبکہ جس کی بنیاد کمزور رہ جائے، اس کے لیے اعلیٰ درجے کی کتابیں بھی ناقابلِ عبور دیوار بن جاتی ہیں۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جب تک طالبِ علم کے اندر صحیح عبارت خوانی، دقیق فہم، متون کے رموز و اسرار کو سمجھنے کی صلاحیت، قواعد کے عملی استعمال کا ملکہ اور عربی زبان کے اسالیب سے گہری واقفیت پیدا نہ ہو، اس وقت تک وہ نہ ایک کامیاب مدرس بن سکتا ہے، نہ مضبوط محقق، نہ باصلاحیت مفتی اور نہ ہی صاحبِ

طرزِ مصنف۔

آج نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مدارس کے نظامِ تعلیم میں ایک ایسا خلا پیدا ہو چکا ہے جس کے اثرات ہر گزرتے سال کے ساتھ زیادہ نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر سال ہزاروں فضلاء درسِ نظامی سے فراغت حاصل کرتے ہیں، لیکن درس و تدریس، تحقیق اور تصنیف کے میدان میں نمایاں افراد کی تعداد نہایت محدود دکھائی دیتی ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں بلکہ اس کے پسِ پردہ کئی بنیادی اسباب کارفرما ہیں، جن میں سب سے اہم سبب ابتدائی درجات میں علمِ صرف و نحو کی کمزور تدریس ہے۔

اپنے علاقے کے مدارس کا جائزہ لینے کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ بعض اداروں میں طلبہ کی علمی کمزوری کا ایک بڑا سبب خود ناقص تدریسی نظام ہے۔ پورا پورا سال گزر جاتا ہے، مگر ہدایۃ النحو اور علم الصیغہ جیسی بنیادی کتابوں کے صرف پانچ یا سات صفحات ہی پڑھائے جا پاتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے کہ ایک مکمل تعلیمی سال گزرنے کے باوجود چند صفحات سے آگے پیش رفت نہیں ہو پاتی؟ جب بنیادی کتابیں ہی مکمل نہ ہوں تو طلبہ مضبوط علمی بنیاد کہاں سے حاصل کریں گے؟

جب ایک ذہین طالبِ علم ابتدائی جماعتوں ہی میں بنیادی کتابوں کا مکمل مطالعہ نہ کر سکے، مقدمات اچھی طرح نہ پڑھ سکے، عبارت خوانی کی مناسب مشق سے محروم رہے اور علمِ صرف و نحو کے قواعد اس کے ذہن میں راسخ نہ ہو سکیں، تو اعلیٰ جماعتوں میں پہنچ کر وہ کس بنیاد پر آگے بڑھے گا؟ نہ اسے عبارت صحیح پڑھنی آئے گی، نہ مفہوم سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو گی، نہ خود مطالعہ کرنے کا سلیقہ آئے گا اور نہ

علمی اعتماد نصیب ہوگا۔ اس کا قصور صرف اتنا ہوگا کہ ابتدا ہی میں اسے مضبوط علمی بنیاد فراہم نہیں کی گئی اور چند صفحات پڑھا کر آگے بڑھا دیا گیا۔

اس کے بعد اس کے سامنے صرف ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ از سرِ نو محنت کر کے اپنی علمی کمزوریوں کی تلافی کرے، لیکن افسوس! جب تک اسے اپنی کمزوریوں کا احساس ہوتا ہے، تب تک بنیادی تعلیم کا قیمتی زمانہ گزر چکا ہوتا ہے۔ نتیجتاً نہ وہ ابتدائی علوم میں مضبوط ہو پاتا ہے اور نہ اعلیٰ کتابوں کے فہم کی صلاحیت حاصل کر پاتا ہے۔

مسلسل علمی کمزوری اور ناکامی سے دل برداشتہ ہو کر ایسے بہت سے طلبہ بالآخر تعلیم ہی ترک کر دیتے ہیں اور مزدوری یا دیگر دنیوی مشاغل اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مدارس اپنے تدریسی نظام کا از سرِ نو جائزہ لیں، ابتدائی جماعتوں کو غیر معمولی اہمیت دیں، بنیادی کتابوں کی مکمل اور معیاری تدریس کو یقینی بنائیں اور ہر طالبِ علم کو ایسی مضبوط علمی بنیاد فراہم کریں جس پر وہ پوری زندگی کا علمی سرمایہ تعمیر کر سکے۔

آج امت کو ایسے علماء کی ضرورت ہے جو محض سند یافتہ نہ ہوں بلکہ صاحبِ علم، صاحبِ فہم، صاحبِ تحقیق اور صاحبِ بصیرت ہوں۔ ایسے علماء کی تیاری کا راستہ علمِ صرف و نحو کی مضبوط بنیاد سے ہو کر گزرتا ہے۔ یہی وہ علوم ہیں جو طالبِ علم کو قرآن و سنت کا صحیح فہم عطا کرتے ہیں، فقہ میں بصیرت پیدا کرتے ہیں، فتویٰ میں احتیاط، تحقیق میں رسوخ اور امت کو مضبوط علمی قیادت فراہم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مدارسِ اسلامیہ کی حفاظت و صیانت فرمائے، اساتذۂ کرام کو دینِ متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے، اور طلبہ کو علم نافع، فہم صحیح بہرہ مند فرمائے۔

آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

رشحات قلم:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی (بچباری آبادپور کٹیہار)

استاذ و مفتی: جامعہ مصباح العلوم کدمتلی (مالدہ بنگال)

شائع کردہ: ۲۴ جون ۲۰۲۶ء بروز چہار شنبہ، ۸ محرم الحرام

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے

(ستّر کتابیں (بزبان عربی) ایک عزم: جامعہ علیمیہ کا علمی سفر)

قلم...! وہ آسمانی امانت جو نور کی کرنوں میں ڈھل کر انسانی شعور کے افق پر چمکی، وہ مایۂ افتخارِ انسانیت جس کے وجود سے تہذیبوں کو دوام، افکار کو بقا، اور تاریخ کو حیات ملی۔ یہ وہ عظیم امانت ہے جس نے صدیوں کے فاصلے سمیٹے، قوموں کے مقدر بدلے، اور حق و باطل کے مابین ایک اٹل اور ابدی لکیر کھینچ دی۔

زبان سے ادا ہونے والے الفاظ، خواہ کتنے ہی شیریں و بلیغ کیوں نہ ہوں، وقت کی گرد میں گم ہو جاتے ہیں، مگر قلم کی نوک سے نکلنے والے حروف کاغذ کی سپید چادر پر سیاہی کے موتیوں کی صورت ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتے ہیں، صدیوں بعد بھی تازہ اور زندہ۔

قرآنِ مجید کی پہلی ہی وحی میں قلم کی عظمت کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ، الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

(سورة العلق : آيت ٣/ ٤)

اور ایک اور مقام پر ربِ کائنات نے قلم کو قسم کے قابل قرار دے کر فرمایا:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ

(سورة القلم : آيت ١)

یہاں تک کہ ایک مکمل سورت کا نام ہی "القلم" رکھ کر اس کی عظمت کو ازل تا ابد امر کر دیا گیا۔

اگر قلم نہ ہوتا تو تاریخ کے اوراق اجڑ جاتے، علوم و فنون کی خوشبو وقت کی گرد میں بکھر جاتی، انبیاء و اولیاء کے سنہری واقعات و تابناک لمحات زمانے کی دھند میں کھو جاتے، اور انسانیت اپنے ماضی کے آئینے سے محروم ہو جاتی۔

قلم نے ہی لوحِ محفوظ کے اسرار رقم کیے، قرآن کو مصحف کی صورت میں جمع کیا، احادیثِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو حرف بہ حرف محفوظ کیا، فقہ و اصول، نحو و صرف، فلسفہ و منطق کے گلزار کھلائے۔ قلم ہی نے حکماء کی حکمت، علماء کی بصیرت، صوفیاء کی معرفت، اور مجاہدین کے شجاعانہ کارنامے زمانے تک پہنچائے۔

تلوار کو قوت کا نشان کہا گیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ قلم تلوار سے کہیں بڑھ کر طاقتور ہے۔ تلوار جسموں کو زیر کرتی ہے، قلم روحوں کو تسخیر کرتا ہے۔ تلوار سلطنتیں بدل دیتی ہے، مگر قلم ذہن و ضمیر کا قبلہ بدل دیتا ہے۔ قوموں کی تقدیر پلٹنے، مردہ ضمیروں کو بیدار کرنے، اور زمانے کے رخ کو موڑ دینے میں قلم کی تاثیر ہر اس ہتھیار سے بالاو برتر ہے جو کبھی انسانی ہاتھ میں آیا۔

اسی لیے اہلِ بصیرت نے ہر دور میں قلم کو اپنا سب سے قیمتی اثاثہ مانا، اور اہلِ حق نے اس کی پرورش کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا۔ جب تک سانس باقی ہے، جب تک دل کی دھڑکن میں ایمان کی حرارت ہے، ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے، کیونکہ یہی ہمارا اصل سرمایہ اور ابدی ہتھیار ہے۔

جامعہ علیمیہ جمداشاہی بستی (یوپی) کا یہ سال یقیناً اپنی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا، کیونکہ اس مرتبہ اس کے جماعتِ سادسہ کے طلبہ نے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا ہے جس نے اہلِ علم کے دلوں کو خوشی سے جھومنے پر مجبور کر

دیا۔

یہ وہی جوانانِ علم و فضل ہیں جن کے دل میں علم کا چراغ روشن ہے، ذہن میں فکرِ صحیح کی شمع فروزاں ہے، اور ہاتھوں میں قلم کا وہ ہتھیار ہے جو صدیوں تک باطل کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر کھڑا رہتا ہے۔

اس سال جماعتِ سادسہ کے ان محنتی اور باہمت طلبہ نے اجتماعی طور پر تقریبًا ستر(70)عربی کتابیں تصنیف و تالیف کرنے کا عزم کیا ہے۔جی ہاں!ستر کتابیں...وہ بھی ایسی زبان میں جو قرآن و حدیث کی زبان ہے،فقہ و کلام کی زبان ہے،اور اسلام کی علمی تاریخ کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔یہ محض تعداد نہیں،بلکہ ہر کتاب ایک چراغ ہے جو آنے والی نسلوں کو روشنی دے گا۔

یہ کام کوئی معمولی بات نہیں —ایک طرف درسی مشغولیت، دوسری طرف علمی ریاضت، اور تیسری طرف عربی زبان میں لکھنے کا عزم...گویا یہ طلبہ علم و محنت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر قیمتی موتی نکال لائے ہیں۔

اس عظیم کامیابی کے پیچھے ان کے اساتذہ کی وہ لازوال محنت ہے جو دن رات ان کے دل و دماغ کو تراشتے رہے۔یہ اساتذہ نہ صرف کتاب کا درس دیتے ہیں بلکہ فکر کا شعور، زبان کا ذوق، اور تحقیق کا سلیقہ بھی عطا کرتے ہیں۔

یہ کامیابی اس بات کا اعلان ہے کہ جامعہ علیمیہ کا علمی چراغ پہلے سے بھی زیادہ روشن ہے، اور اس کے طلبہ صرف ماضی کی علمی وراثت کے امین نہیں بلکہ خود نئے علمی ذخیرے کے معمار ہیں۔

ان کا یہ کارنامہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ مدرسہ آج بھی اسلاف کی روایتِ

تحقیق و تصنیف کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔

رب تعالیٰ ان سب کو علم نافع اور عملِ صالح کی دولت سے سرفراز فرمائے، ان کی تحریروں کو دین متین اور ملت اسلامیہ کے لیے چراغ ہدایت بنائے، معدن علوم و فنون جامعہ علیمیہ جمداشاہی بستی کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے،

آمین۔ بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

از قلم:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آباد پور، کٹیہار، بہار

شائع کردہ: ۱۱، اگست 2025ء

دار العلوم علیمیہ کے طلبۂ فضیلت کی علمی سرگرمیاں

(2023-24)

جب کسی قوم کے سینے میں علم کا چراغ فروزاں ہوتا ہے تو وہ جہالت، جمود اور گمراہی کے اندھیروں سے نکل کر شعور و بیداری، عرفان و ہدایت کی روشنیوں میں اپنی شناخت پاتی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جن اقوام نے علم کو اپنا سرمایۂ فخر بنایا، وہی عروج و ارتقا کی منازل طے کرتی رہیں، اور جنہوں نے اس سے غفلت برتی، وہ زوال و انحطاط کے گڑھوں میں جا گریں۔ علم ہی وہ قوت ہے جو انسان کے فہم کو وسعت، کردار کو استقامت اور زندگی کو مقصد عطا کرتی ہے۔

اسی تابندہ روایت کا روشن مظہر دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی (یو۔پی) ہے، جو آج بھی اپنی علمی و روحانی سرگرمیوں سے امت کے فکری افق کو منور کر رہا ہے۔ یہ ادارہ محض درس و تدریس کا مرکز نہیں بلکہ ایک فکری تحریک اور اصلاحی مشن ہے جو علم و عمل، تقویٰ و اخلاص، اور دعوت و تبلیغ کے حسین امتزاج سے آراستہ ہے۔

یہاں کے اساتذہ و طلبہ علم و معرفت کے بحرِ بیکراں میں غواصی کرتے ہوئے امت کے علمی و اخلاقی سرمائے کو سنوارتے ہیں۔

یہ ادارہ حضور مبلغِ اسلام علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی مہاجر مدنی نورہ اللہ مرقدہ کی فکر و دعوت کا تسلسل ہے۔ آج علیمیہ کے طلبہ انہی کے مشنِ حق کے امین و وارث ہیں، جو اخلاص، استقامت اور جذبۂ خدمتِ دین کے ساتھ پیغامِ حق کو نئ

نسلوں تک پہنچا رہے ہیں۔ ان کے دل عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز، ذہن علمی بیداری سے منور اور نگاہیں مقصدِ حیات پر مرکوز ہیں۔

دارالعلوم علیمیہ کے سالانہ جلسۂ دستار بندی 2024ء میں طلبہ نے جو علمی و فکری صلاحیتیں پیش کیں، وہ دیکھنے والوں کے لیے باعثِ مسرت و فخر تھیں۔

درجۂ فضیلت (سالِ اخیر 24-2023) کے طلبہ نے اس سال تقریباً آٹھ گراں قدر تصنیفات و تالیفات پیش کیں، جن کے موضوعات، اسلوب اور طرزِ نگارش سے ان کے علمی ذوق، تحقیقی بصیرت اور فکری پختگی کا اظہار ہوتا ہے۔

یہ قلمی کاوشیں اس حقیقت کی غماز ہیں کہ علیمیہ کے طلبہ میں تحقیق و تحریر کا ذوق اور خدمتِ دین کا جذبہ مضبوطی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ ان کی تحریریں علمی گہرائی، فکری وسعت اور روحانی اخلاص کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔

دارالعلوم علیمیہ کے افق سے ابھرتی یہ نئی قلمی تحریک اس بات کی علامت ہے کہ علم و عرفان کی یہ شمع ہمیشہ فروزاں رہے گی۔

یہاں کے طلبہ اپنے اسلاف کی علمی امانت کو عزم و استقلال کے ساتھ آگے بڑھا رہے ہیں، اور اپنی نگارشات کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کے ذہن و ضمیر کو بیدار کرنے میں مصروف ہیں۔

ذیل میں ان تمام گرانقدر کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے، جو طلبۂ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی کی علمی و فکری کاوشوں کا روشن مظہر ہیں۔

(ا) چوبیس نمبروں کے چوبیس باطل عقائد

خامہ فرسائی: مولانا معراج الدین قادری علیمی

یہ کتاب مسلکِ حق اہلِ سنت کی فکری و اعتقادی بنیادوں کا مضبوط قلعہ ہے۔ مصنف نے وہابیوں کے چوبیس گمراہ کن عقائد کو مدلل، مفصل اور علمی انداز میں رد کیا ہے۔ کتاب نہ صرف ردِ باطل کا حسین نمونہ ہے بلکہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی ترجمانی بھی کرتی ہے۔ علمِ کلام اور مناظرہ کے طلبہ کے لیے یہ کتاب ایک رہنما دستاویز ہے۔

(۲) اسلام کا سماجی تصور

مؤلف: مولانا غلام محی الدین وافی علیمی

یہ کتاب اسلام کے عادلانہ اور متوازن سماجی نظام کی عمدہ عکاسی کرتی ہے۔ مصنف نے نہایت شگفتہ اسلوب میں انسانی مساوات، معاشرتی انصاف، اور اخوتِ انسانی کے اصولوں کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیا ہے۔ یہ کتاب جدید معاشرتی نظاموں کے مقابلے میں اسلامی فکر کی بالادستی کو اجاگر کرتی ہے۔

(۳) اتحاد زندگی اختلاف موت ہے

مصنف: مولانا محمد مشتاق قادری علیمی

امت مسلمہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب باہمی انتشار ہے، اور یہی نکتہ اس کتاب کا مرکزی محور ہے۔

مصنف نے قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام کے واقعات سے اتحاد کی ضرورت اور اختلاف کے نقصانات پر روشنی ڈالی ہے۔ امت کے اتحاد و اجتماعیت کے لیے یہ کتاب ایک پُراثر دعوتِ عمل ہے۔

(۴) انسان کی تخلیق کا مقصد

تالیف: مولانا ساجد رضا قادری علیمی

یہ کتاب انسان کے وجود کے فلسفے پر گہرے غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ مصنف نے نہایت دلنشین انداز میں واضح کیا ہے کہ انسان کی تخلیق بے مقصد نہیں بلکہ اس کا مقصد بندگی، معرفت اور خدمتِ خلق ہے۔ قرآن و سنت کے دلائل سے مزین یہ تحریر قاری کے دل میں احساسِ ذمہ داری کو بیدار کرتی ہے۔

(۵)علیمی جنرل انگلش بک

رائیٹر: مولانا نجیب عالم قادری علیمی

عربی و دینی علوم کے ساتھ عصری زبانوں کی تعلیم بھی ضروری ہے۔اس کتاب میں مصنف نے انگریزی زبان کی بنیادی تعلیمات کو نہایت سہل اور دلچسپ انداز میں مرتب کیا ہے، جو طلبہ کے لیے انگریزی سیکھنے کا ایک مفید ذریعہ ہے۔ زبان و بیان کے طلبہ کے لیے یہ ایک عملی رہنما کتاب ہے۔

(۶)مسلم لڑکیوں میں بڑھتا ارتداد: اسباب اور تدارک

مصنف: مولانا محمد مشاہد رضا قادری علیمی

یہ کتاب عصرِ حاضر کے ایک نہایت سنگین اور حساس مسئلے پر علمی و فکری روشنی ڈالتی ہے۔ مصنف نے مسلم لڑکیوں کے ایمان و عقیدہ سے دور ہونے کے اسباب کا گہرائی سے تجزیہ کیا اور اصلاحی و تعلیمی حل بھی پیش کیے ہیں۔ دینی غیرت، اصلاحِ معاشرہ اور خواتین کی تربیت کے حوالے سے یہ کتاب ایک بیداری کی صدا ہے۔

(۷)صنف نازک کی زبوں حالی

تالیف: مولانا ثاقب رضا قادری علیمی (نیپالی)

یہ کتاب عورت کے مقام و مرتبہ پر ایک جامع تحقیقی دستاویز ہے۔ مصنف نے

سماج میں خواتین کے مسائل، ان پر ہونے والے مظالم اور ان کے حل کے اسلامی طریقوں پر دلائل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ معاشرتی عدل، عزتِ نسواں اور اصلاحِ امت کے لیے یہ کتاب نہایت مفید اور قابلِ مطالعہ ہے۔

الحمد للّٰہ ثم الحمد للّٰہ!

جملہ احباب کی دعاؤں اور اساتذہ کرام کی توجہات سے بندہ لاشئ "فقیر قادری محمد اشفاق عالم امجدی علیمی سلّمہ الالہ المخفی" بھی اس سعادتِ عظمیٰ سے مشرف ہوا کہ ایک نہایت مفید اور عصری ضرورت کی کتاب بعنوان (۸) "مسئولیات الطلّاب للمدارسِ الإسلامیة **المعروف به** طلبہ مدارس اور ان کی ذمہ داریاں" تصنیف کرنے کی توفیق ملی۔

یہ کتاب طلبۂ مدارس کے لیے نہایت ہی نافع، راہ نما اور اصلاحی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کی علمی و فکری تصحیح زینت الفقہاء حضرت علامہ مفتی نظام الدین قادری مصباحی دامت برکاتہم (شیخ الحدیث: دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، بستی یوپی) نے فرمائی ہے، جب کہ یہ کتاب خلیفہ حضور تاج الشریعہ معتمد محدث کبیر حضور تاج الفقہاء علامہ مفتی اختر حسین قادری علیمی (صدر شعبۂ افتاء، جامعہ علیمیہ جمداشاہی، بستی) اور محقق عصر، حضرت علامہ مفتی ابوالحسن قادری مصباحی (صدر دارالافتاء: جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی مئو) کے مبارک تقریظات سے مزین ہے۔

یقیناً یہ کتاب طلبہ کے فکری و اخلاقی ارتقا اور عملی زندگی کی درست سمت متعیّن کرنے میں ایک سنگِ میل ثابت ہوگی۔

رب تعالیٰ اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ان تمام مصنفین و

مؤلفین کی ان مبارک کاوشوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے، ان کے علم و قلم میں برکت دے اور ان کی یہ علمی خدمات امتِ مسلمہ کے لیے نفع وہدایت کا ذریعہ بنیں۔

اور ہمارے اساتذۂ کرام کے سائے کو سلامت رکھے، ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائے۔

آمین آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم

رپورٹ:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچپاری، آبادپور، کٹیہار، بہار

فاضل: دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی

ہمیں امجدی پہ فخر ہے

ہر سلیقہ دار فرد دینی مدارس کی عظمت واہمیت کو سمجھتا ہے، رب قدیر نے جن کو عقل سلیم اور فہم صحیح کی دولت سے نوازا ہے وہ ان مدارس کی عزت وقدر بھی کرتے ہیں اور ان کے وجود کو ایک عظیم نعمت تصور کرتے ہیں۔ بلا شبہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ان مدارس نے بر صغیر میں بالخصوص دین اسلام کی حفاظت میں بڑا قابل قدر کردار ادا کیا، اور تعلیمات اسلامی کی اشاعت میں ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔

اس دور پر فتن میں دنیا کے ہنگاموں میں خاموش لیکن ٹھوس انداز میں یہ مدارس خدمت دین میں نہایت یکسوئی کے ساتھ مصروف ہیں، معاشرے کی بنیادی دینی ضرورتوں کی تکمیل اور صالح معاشرے کی تشکیل میں شب وروز لگے ہوئے ہیں۔

سرد و گرم حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے شیریں وتلخ مرحلوں سے گزرتے ہوئے موج بلا خیز کے تیز و تند تھپیڑوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اور باد مخالف کے سامنے سینہ سپر ہوتے ہوئے انسانیت کی تعمیر افراد کی تیاری اور تحفظ دین کے لیے ہمہ وقت مصروف ہیں، انہیں میں ایک چمکتا ہوا نام ''الجامعۃ الامجدیہ الرضویہ گھوسی'' سر فہرست ہے۔

کیا ہے جامعہ امجدیہ رضویہ؟

ہاں! جامعہ امجدیہ رضویہ وہ جو ملت اسلامیہ کی آرزوؤں کا نشیمن ہے۔ بے شمار

علما، فضلا، فقہا ،نقبا،صلحا، شعرا، مدرسین، محدثین، مفکرین، مناظرین، مصنفین، موٗلفین، محققین، مفسرین، مقررین کا مرکز و محور ہے، با وقار قائدین و عمائدین کی امنگوں کی جولان گاہ ہے، جو بالخصوص سرکار اعلیٰ حضرت و سرکار صدرالشریعہ قدس سرھما کے فیضاں علم و فن کا ایک عظیم سنگم ہے۔

جہاں اساتذہ کرام ہر فن میں کمال و عبور رکھتے ہیں جن کی علمی شان و شوکت کی صیت و شہرت سے طلبہ ان کی طرف کشاں کشاں کھینچے چلے آتے ہیں،جن کی صلا حیت و قابلیت کی طوطی چار دانگ عالم میں بجتی ہے،جن میں اکثر علم و فضل کے جبل شامخ عرفان وآگہی کے آفتاب و ماہتاب ہیں ،بعض تدریس تفہیم کے شہنشاہ ہیں تو بعض تحقیق ولسان کے ماہر وحاذق،کوئی بحر فقہ وفتاویٰ کا شناور ہیں توکوئی فنون وادب کا تاجور،کوئی فکر وقلم کا بادشاہ ہے توکوئی دعوت واصلاح کا شاہکار

اور یہ ساری انجمنیں امیرالموٗمنین فی الحدیث ، محدث اعظم اعلم، سلطان الاساتذہ،رئیس المناظرین ،عمدۃ المحققین،ممتاز الفقہاوالمحدثین ،شہزادئہ صدرالشریعہ خلیفہ مفتیٔ اعظم و حضور حافظ ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ المفتی ضیاء المصطفیٰ قادری برکاتی نوری امجدی مدظلہ العالی المعروف بہ حضور محدث کبیر کے دم قدم سے قائم ودائم وشاد وآباد ہے۔

جوفی زمانہ اللہ رب العزت کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت،فکر ونظر کی تجلی ،حسن و تدبر کا پیکر،عزم محکم کی مضبوط چٹان، حلم بردباری کی بے نظر تصویر،ضبط وتحمل صبرورضاکی جاذب نظر تنویر،علم وفضل میں شہرہ آفاق،تفقہ و تدبر میں یگانہ روز گار، شریعت وطریقت کی بحر ذخار، ورع تقویٰ کے شاہکار، مملکت سلوک وتصوف

کے تاجدار، نادر روزگار خلاصۂ لیل و نہار، باریکیوں کا خزانہ، علوم نادرہ کا گنجینہ، اپنے وقت کا یگانہ، یکتائے زمانہ، حق گوئی و اعلائے کلمۃ الحق میں وحید جہاں، آسمان ولایت وکرامت نیر درخشاں، فلک و تقدس و طہارت کے ماہ تاباں ہیں۔

جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی دنیائے سنیت کی ایک ایسی عظیم دینی درسگاہ جن کی تعلیم کا سکہ ملک کے خطے خطے میں لوہا منوار ہا ہے، یہ ادارہ ہر اعتبار سے اور ہر جہت سے اعلیٰ کردار ادا کر رہا ہے خواہ وہ تعلیم کے حوالے سے ہو یا تدریس و تبلیغ کے حوالے سے ہو ہر زاویے سے آپ دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ادارہ ہذا کی تعلیمی خدمات نہایت ہی وسیع اور متعدّد خصائص سے پر ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس ادارے سے بڑے بڑے اسکالر پیدا ہوئے، ادیب، ڈاکٹر، مصنف، مفکر غرض کہ ہزاروں کی تعداد میں ماہرین علوم جنم لیے آج پوری دنیا میں ادارے کے فارغین دین و سنت کی خدمت انجام دے رہے ہیں مزید ادارہ ہذا کی بہت ساری خصوصیات ہیں، اگر ان خصوصیات کو تحریر کیا جائے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔

شمع نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں، تری محفل سے آئے ہیں

المختصر

جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی کے مدرسین ایک سے بڑھ کر ایک ہیرہ ہے، یعنی علوم و فنون کے بحر ذخار ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمیں امجدی کہنے پر بڑا فخر محسوس ہوتا ہے، چوں کہ یہ سعادت ہر کس و ناکس کو نہیں ملتی۔ فارغین جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

کے لیے یہ دعوت فکر کہ فخر سے کہو اور اپنی نگارشات میں لکھو کہ ہم امجدی ہیں۔

رب غافر قدیر اپنے حبیب پاک صاحب لولاک معلم کائنات کے صدقے سرکار اعلیٰ حضرت و سرکار صدر الشریعہ قدس سرہما کے طفیل ہم سب کو علم دین حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، سرکار محدث کبیر کو عمر خضر عطا فرما کر ہم سب غربائے اہل سنت پر حضرت کا سایہ عاطفت دراز فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ افضل الصلاۃ والتسلیم

خامہ فرسائی؛

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آباد پور، کٹیہار، بہار

المتخصص فی الفقہ الحنفی

تنظیم آئینہ ہند

جامعہ امجدیہ کی علمی وفکری فضاء میں ایک درخشاں اضافہ

جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی برصغیر کا وہ معتبر علمی، دینی اور روحانی مرکز ہے جس کی عظمت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ صدیوں پر محیط دینی و فکری وراثت کی پاسبان یہ عظیم درسگاہ اپنے منفرد تعلیمی نظام، روحانی ماحول، اور بے مثال تربیتی نظام کی بدولت عالمی سطح پر ممتاز مقام رکھتی ہے۔

یہاں سے فارغ ہونے والے خوش بختوں کی دینی، تعلیمی اور تحریکی خدمات اہل علم پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

اسی عظیم ادارے کے قلب سے ایک نوخیز مگر مؤثر فکری تحریک کا آغاز ہوا ہے جو "تنظیم آئینہ ہند" کے نام سے موسوم ہے یہ تنظیم بنگال کے طلبا کے مابین گزشتہ دو برسوں سے فعال ہے، محض ایک رسمی اجتماع یا وقتی سرگرمی نہیں، بلکہ ایک فکری انقلاب، ایک تحریکی شعور اور ایک اصلاحی عزم کی متحرک تصویر ہے۔

اس کی تشکیل نے جامعہ کی علمی فضا میں ایک نئی تابانی، ایک نئی فکری حرارت اور ایک نیا رجحان پیدا کیا ہے، جو حال کو سنوارنے اور مستقبل کو روشن بنانے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔

"تنظیم آئینہ ہند" کا قیام کسی جذباتی یا سطحی محرک کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ اس دردِ دل کی آئینہ دار ہے جو ملتِ اسلامیہ کی فکری و عملی بیداری کے لیے دھڑکتا ہے۔ اس تنظیم کا مقصد وہدف طلبا کے اندر دینی بصیرت، فکری جرأت، اور تحریکی شعور پیدا کرنا ہے

تاکہ وہ صرف قاری یا طالبِ علم نہ رہیں، بلکہ صاحبِ فکر، صاحبِ کردار، اور ملت کے سچے معمار بن سکیں۔

اپنے مختصر مگر بھرپور سفر میں "تنظیم آئینہ ہند" نے ایسی متنوع اور مؤثر سرگرمیوں کا انعقاد کیا ہے جنہوں نے طلبہ کے اندر مخفی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں نکھارنے کا بھی سامان فراہم کیا۔

تقریری مقابلے، مناظرے، مذاکرے اور شعری نشستیں ذہنوں کو جلا بخشنے اور اظہارِ خیال کو نکھارنے کا ذریعہ بنیں۔ فکری نشستیں، مطالعہ جاتی حلقے اور مکالماتی مجالس، تحقیق و تنقید کے ذوق کو پروان چڑھا رہی ہیں۔ ادبی ورکشاپس اور مقالہ نویسی کے مسابقے طلبہ کو قلم کا سپاہی بنانے میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔

ایک امید، ایک خواب، ایک عزم

"تنظیم آئینہ ہند" کا وژن محدود نہیں بلکہ ہمہ گیر اور عمیق ہے۔ اس کا خواب ہے کہ بنگال کے طلبہ کے لیے تعلیمی وسائل جیسے درسی و غیر درسی کتابیں فراہم کیے جائیں، اور ہر طالبِ علم ایک ایسا آئینہ بنے جس میں علم کی روشنی، عمل کی حرارت، اخلاص کی خوشبو، اور بصیرت کی گہرائی جھلکتی ہو۔

یہ تنظیم چاہتی ہے کہ ہر طالب علم ملت کا روشن چراغ ہو، جو جہالت کی تاریکی میں علم و آگہی کی روشنی بانٹے، اور معاشرے کے لیے خیر و برکت کا ذریعہ بنے۔

یقیناً، "تنظیم آئینہ ہند" جامعہ امجدیہ کی تاریخ میں ایک خوش آئند اضافہ ہے جو دوررس نتائج کا حامل ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ ایک بیدار ذہن اور مخلص دل کا وہ خواب

ہے جو ملت کے روشن مستقبل کے لیے دیکھا گیا۔ اگر یہی اخلاص، یہی جذبہ اور یہی تسلسل قائم رہا، تو یہ تنظیم نہ صرف جامعہ کی پہچان بنے گی بلکہ قومی سطح پر ایک مثالی علمی وفکری تحریک کے طور پر ابھرے گی۔

خدائے متعال اس تنظیم کو دوام عطا فرمائے، اس کے اہداف و مقاصد کو ثمربار کرے، اور اسے ملتِ اسلامیہ کی رہنمائی کا مؤثر ذریعہ بنائے۔ آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ افضل الصلاۃ والتسلیم۔

یہ کرم بہر رضا صدر شریعت کا ہے
امجدیہ کے افق پر تیری کاوش ہے طلوع

از قلم:
محمد اشفاق عالم امجدی علیمی
بچباری، آبادپور، کٹیہار (بہار)
المتخصص فی الفقه الحنفی

کتاب اور صاحبِ کتاب: یم بہ یم

(مولانا شاہد نعمانی مصباحی)

فنِ مضمون نگاری فکر کی تہ در تہ پرتوں کو وا کرنے، ادراک کے پیچیدہ زاویوں کو منقّح کرنے اور قاری کے ذہن میں نئی جہاتِ استفسار روشن کرنے کا مسلسل عمل ہے۔ قلم سب کے ہاتھ میں ہوتا ہے، مگر ہر ہاتھ میں جذبات کی تطہیر، خیال کی تہذیب اور معنی کی تنظیم کی وہ قوت نہیں ہوتی جو ایک حقیقی مضمون نگار کا سرمایہ ہے۔

جو شخص موضوع کے باطن میں اترنے، اس کے خفی و جلی پہلوؤں کو گرفت میں لینے اور اسلاف کے اسلوبِ بیان کو معاصر فکری سطح پر برقرار رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہی فنِ مضمون نگاری کے منصب کا حقیقی مستحق ہوتا ہے۔

اسی اربابِ اہلِ قلم میں ایک نام حضرت مولانا شاہد نعمانی مصباحی کا ہے۔ آپ نے مضمون نگاری کو جس فکری موشگافی، تہذیبی شائستگی اور اسلوبی نزاکت سے آراستہ کیا ہے، وہ عہد حاضر کے علمی و ادبی شعور کے لیے ایک قیمتی تحفہ ہے۔

کم وقت اور کثرتِ مشاغل کے باوجود آپ کی تحریروں میں جو صفائے فکر، بلندئ نظر اور اسلوب کا استحکام نمایاں ہے، وہ آپ کے غیر معمولی ذہنی وفور اور قوتِ اظہار کا روشن ثبوت ہے۔

زندگی کے مدّ و جزر میں شعور و احساس کی پیہم لہریں ”یم بہ یم“ کی شکل میں محض چند مضامین کا مجموعہ نہیں، بلکہ انسانی شعور کے نفسیاتی نشیب و فراز، وجودی کیفیات اور باطنی واردات کا باریک فہم تجزیہ ہے۔

مصنف کے قلم میں معنوی گہرائی بھی ہے، فکری ٹھہراؤ بھی، اور نثر کی لطافت بھی۔ قاری ہر سطر کے بعد رک کر سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے، گویا ہر جملہ اسے اس کے باطن کی ایک نئی دنیا میں لے جا رہا ہو۔

ایسا طلسمِ نثر کہ لفظوں کی موجیں قاری کو ایک نئے نوری احساس تک پہنچا دیتی ہیں۔

سچ یہ ہے کہ فقیر نے حضرت مولانا شاہد نعمانی مصباحی کی یہ کتاب ''یم بہ یم'' تو نہیں پڑھی، مگر ان کے متعدّد مضامین پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

فقیرِ امجدی علیمی ہی نہیں، ہر سنجیدہ قاری — جس نے ان کی نثر کا ذائقہ چکھا ہو۔ یہ ضرور مانے گا کہ نعمانی صاحب اپنے وقت کے اعلیٰ درجے کے مضمون نگار ہیں۔ جب ان کے مضامین اس قدر دل آویز اور معیاری ہیں تو کتاب بدرجۂ اولیٰ اسی معیار، اسی فکری رنگ اور اسی تہذیبی لطافت کی حامل ہو گی۔

فقیر نے مضمون نگاری کی دنیا میں برسوں پہلے قدم رکھا تھا، اور طویل ریاضت کے بعد قلم کو کچھ گرفت عطا ہوئی۔

لیکن نعمانی صاحب نے مختصر عرصے میں جس مہارت، جس فکری پختگی اور جس استدلالی نزاکت کے ساتھ اس فن میں نمایاں مقام حاصل کیا ہے،

وہ دیکھ کر دل میں مسرت بھی پیدا ہوتی ہے اور تعجب بھی کہ اتنے کم وقت میں اتنی بلندی کیسے ممکن ہوئی! حضرت مولانا شاہد نعمانی مصباحی کی یہ نایاب اور وقیع تصنیف ''یم بہ یم'' اب کل بروز اتوار، مرکزِ علم و فن جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ کے صحن میں، ۵۱ ویں عرسِ عزیزی کی مقدس اور نورانی فضا میں باوقار رسمِ اجراء سے

مشرف ہونے جارہی ہے۔

یہ صرف ایک کتاب کی رونمائی نہیں، بلکہ علم و فکر کے ایک نئے باب کا افتتاح

ہے

ایسی درخشاں قندیل جس کی روشنی ذہن کو نئے زاویے، نئی معنویت اور نئی جہات عطا کرے گی۔ یہ کتاب نگاہ کو نہیں بدلتی، نگاہ کی باطنی میزان کو بدل دیتی ہے۔

یہ مطالعہ نہیں، ایک فکری محاسبہ، ذہنی تربیت اور روحانی تہذیب کا سفر ہے؛ ہر اس شخص کے لیے ضروری جو قلم سے رشتہ رکھتا ہو، علم سے شغف رکھتا ہو، اور فکر کو محض معلومات نہیں بلکہ معرفت سمجھتا ہو۔

رب تعالیٰ حضرت نعمانی مصباحی صاحب کی اس علمی کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اسے اہلِ علم و اہلِ قلم کے لیے سرچشمۂ بصیرت بنائے، اور مصنف کے قلم میں مزید قوت عطا فرمائے۔

آمین بجاهِ سيد الانبياء والمرسلين وعلىٰ آله وصحبه أفضلُ الصلاةِ والتسليم۔

تبصرہ نگار:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آبادپور، کٹیہار (بہار)

المتخصص فی الفقه لحنفی

ہاں !ہم مصباحی ہیں: دعوت فکر

میں سب سے پہلے ان تمام بھائیوں کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں جو جامعہ اشرفیہ (مصباح العلوم) کی چہار دیواری میں محدود رہ کر اپنے شب و روز گزار رہے ہیں۔ بلاشبہ آپ لائق صد مبارکباد اور قابل تحسین ہے، کہ آپ اپنا قیمتی وقت حصول علم کے لیے صرف کر رہے ہیں جو کہ ایک بہترین اور افضل ترین عبادت کا حصہ ہے۔

ہر ذی شعور فرد دینی مدارس کی عظمت و اہمیت کو سمجھتا ہے رب قدیر نے جن کو عقل سلیم اور فہم صحیح کی دولت سے نوازا ہے۔ وہ ان مدارس کی عزت و قار بھی کرتے ہیں۔ ان کے وجود کو ایک عظیم نعمت تصور کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان مدارس نے بر صغیر میں بالخصوص دین اسلام کی حفاظت میں بڑا قابل قدر کردار ادا کیا اور تعلیمات اسلامی کی اشاعت میں ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔

دنیا کے ہنگاموں میں خاموش لیکن ٹھوس انداز میں یہ مدارس خدمت دین میں نہایت یکسوئی کے ساتھ مصروف ہیں، معاشرے کی بنیادی دینی ضرورتوں کی تکمیل اور صالح معاشرے کی تشکیل میں شب و روز لگے ہوئے ہیں۔

سرد و گرم حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے شیریں و تلخ مرحلوں سے گزرتے ہوئے موج بلاخیز کے تیز و تند تھپیڑوں سے نبرد آزماتے ہوتے ہوئے اور باد مخالف کے سامنے سینہ سپر ہوتے ہوئے انسانیت کی تعمیر افراد کی تیاری اور تحفظ دین کے لیے

ہمہ وقت مصروف ہیں، انہیں میں ایک چمکتا ہوا نام الجامعتہ الاشرفیہ مبارکپور سر فہرست ہے۔

چنانچہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ برصغیر میں مسلمانان اہل سنت وجماعت کی سب سے عظیم الشان درسگاہ ہے۔ یہ تعلیمی ادارہ امام اہل سنت اعلی حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے عقائد و نظریات کا پابند سرکار حافظ دین و ملت نور اللہ مرقدہ کی خوابوں کی تعبیر ہے۔ یہ شخصی ادارہ نہیں، بلکہ اہل سنت و جماعت کا جماعتی ادارہ ہے۔

کون جامعہ اشرفیہ؟

ہاں ہاں! وہ جامعہ اشرفیہ جو ملت اسلامیہ کی آرزوؤں کا نشیمن ہے۔ بے شمار علما، فضلا ،فقہا ،نقبا ،صلحا ،شعرا مدرسین ،محدثین، مفکرین، مناظرین، مصنفین، مؤلفین ،محققین، مفسرین، مقررین، کا مرکز و محور ہے۔ باوقار قائدین و عمائدین کی امنگوں کی جولان گاہ ہے، جو بالخصوص سرکار مفتی اعظم ہند و سرکار حافظ ملت قدس سرھما کے فیضان علم وفن کا ایک عظیم سنگم ہے۔

جہاں اساتذہ کرام ہر فن میں کمال و عبور رکھتے ہیں، جن کی علمی شان و شوکت کی صیت و شہرت سے طلبہ ان کی طرف کشاں کشاں کھینچے چلے آتے ہیں، جن کی صلاحیت و قابلیت کی طوطی چار دانگ عالم میں بجتی ہے، جن میں اکثر علم و فضل کے جبل شامخ عرفان و آگہی کے آفتاب و ماہتاب ہیں، بعض تدریس و تفہیم کے شہنشاہ ہیں تو بعض تحقیق و لسان کے ماہر و حاذق، کوئی بحر فقہ و فتاویٰ کا شناور ہے کوئی فنون و

ادب کا تاجور، کوئی فکر و قلم کا بادشاہ تو کوئی دعوت و اصلاح کا شاہکار ہے۔

جامعہ اشرفیہ چرخ حکمت کا ایسا شمس بازغہ ہے جس کی کرنیں جہان فضل و کمال کو منور اور تابناک کر رہی ہیں۔ حضور حافظ ملت کے اخلاص و عمل کی برکتیں جو جامعہ اشرفیہ کی شکل میں نظر آتی ہیں وہ ذہن و فکر کو بالیدہ اور کشادہ کرتی ہیں۔

جنھیں دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص زمین کے اوپر کام اور زمین کے نیچے آرام کی مکمل تصویر ہو اور اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت کا علم بردار ہو تو پھر علم کا شہرستان آباد ہوتا ہے تب جاکر کہیں گلشن فن و ہنر نمو پاتا ہے، جامعہ اشرفیہ کی خدمات کا دائرہ وسیع ترین ہے فضلاے اشرفیہ ملک و بیرون ملک خدمت اسلام میں بڑے منظم طریقے سے مصروف ہیں۔

نیز جامعہ اشرفیہ ہندوستان کی ایسی دینی درسگاہ جن کی تعلیم کا سکہ ملک کے خطے خطے میں لوہا منوا رہا ہے، یہ ادارہ ہر اعتبار سے اور ہر جہت سے اعلیٰ کردار ادا کر رہی ہے۔ خواہ وہ تعلیم کے حوالے سے ہو یا تدریس و تبلیغ کے حوالے سے ہو ہر زاویے سے آپ دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ادارہ ہذا کی تعلیمی خدمات نہایت ہی وسیع ہے اور متعدّد خصائص سے پر ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس ادارے سے بڑے بڑے اسکالر پیدا ہوئے، ادیب ڈاکٹر مصنف غرض کہ ہزاروں کی تعداد میں ماہرین علوم جنم لیے آج پوری دنیا میں ادارے کے فارغین دین و سنت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

خصوصیات؛ ادارہ ہذا کی بہت ساری خصوصیات ہیں، اگر ان خصوصیات کو تحریر کیا جائے تو ایک دفتر کی حاجت ہے المختصر کہ ادارہ ہذا کے مدرسین ایک سے بڑھ کر

ایک ہیرہ ہے یعنی علوم وفنون کے بحر ذخار ہیں، نیز یہاں کی ترقی کے اسباب میں یہ بھی ہے کہ تعلیمی ماحول بہت عمدہ ہے۔

بہر کیف! جب الجامعتہ الاشرفیہ مبارکپور اتنی خصوصیات کے حامل ہیں تو کیوں نہ کہیں کہ مصباحی ہیں راقم کہتا ہے اشرفیہ والوں فخر سے کہو اپنی نگارشات میں لکھو کہ ہم مصباحی ہیں۔

رب غافر قدیر اپنے حبیب پاک معلم دوجہاں کے صدقے حضور حافظ دین و ملت کے طفیل ہم سب کو علم دین حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے مسلک اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

ہے عزم وجہد مسلسل شعار مصباحی
جہان بھر میں ہے قائم وقار مصباحی

لگایا حافظ ملت نے اپنے ہاتھوں سے
بشکل از ہر ہندی چنار مصباحی

از قلم:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

فضیلت سال اخیر: دارالعلوعلیمیہ جمداشاہی بستی

امجدی برادران کی سعادت ختم بخاری

سب سے پہلے میں اپنے ان تمام امجدی برادرانِ علم و فضل، عاشقانِ علم و قلم کو تہِ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں جنہوں نے ربِّ متعال، خالقِ ارض و سماء کے خصوصی فضل و احسان، والدین کی ہمہ وقت دعاگوئی، اساتذۂ کرام کی شبانہ روز جاں فشانی، اور اپنے محسنوں وکرم فرماؤں کی بے غرض عنایات کو زادِ راہ بناتے ہوئے فی سبیل اللہ علم و فن کے ایک طویل، صبر آزما اور پُر عزم سفر کو استقلال و ثابت قدمی کے ساتھ طے کیا، اور بالآخر اس منزلِ رفیع پر فائز ہوئے جس کی تمنا دلوں میں برسوں سے موج زن تھی اور جس کا انتظار اہلِ نظر مدتوں سے کر رہے تھے۔

بعدازاں میں اپنے عزیز رفیق، محبوب از جان، مولانا فاروق اعظم اشفاقی امجدی اور مولانا اسکندر علی امجدی صاحبان کو دل کی عمیق گہرائیوں سے خصوصی مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ

آپ حضرات نے قرآنِ مقدس کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب "بخاری شریف" کی آخری حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل کی، جو احادیثِ مبارکہ کا مستند ترین مجموعہ ہونے کی بنا پر عالمگیر شہرت رکھتی ہے، اور یہ سعادت آپ کو حضور محدثِ کبیر دامت برکاتہم العالیہ سے نصیب ہوئی اور اسی بابرکت موقع پر اجازتِ سندِ حدیث بھی حاصل ہوئی۔

ایسی ذاتِ گرامی جنہیں دنیائے اسلام ممتاز الفقہاء، عمدۃ المحققین، سلطان المناظرین، شیخ الاسلام والمسلمین، غیظ المنافقین والمرتدین، ممتاز المحدثین، نائبِ

محبوبِ ربّ العالمین، جانشینِ حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ، نائب قاضی القضاۃ فی الہند حضرت العلام الحاج الشاہ المفتی ضیاء المصطفیٰ قادری برکاتی امجدی المعروف بہ حضور محدث کبیر دامت برکاتہم العالیہ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

آپ کی ذات اس وقت جماعتِ اہلِ سنت میں بحیثیتِ محدث، شیخ الکل کی ہے، اور آپ کی ذاتِ اقدس جماعتِ اہلِ سنت کے لیے کسی عظیم نعمت سے کم نہیں۔

آپ کو چار واسطوں سے امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تک حدیثِ مبارکہ کی سند حاصل ہے، جو اہل سنت میں ایک عظیم اعزاز کی حیثیت رکھتی ہے۔

مزید برآں، آپ کو حافظِ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی رحمہ اللہ سے بھی ایک دوسری سند حاصل ہے، جو پانچ واسطوں سے امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تک جا پہنچتی ہے۔

رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولیٰ کریم ہمیں حضور محدثِ کبیر دامت برکاتہم العالیہ کی ذاتِ مبارکہ سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر قائم و دائم رکھے۔

آمین بجاہ سیدالانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دعاگو و دعاجو:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بجباری، آبادپور، کٹیہار (بہار)

المتخصص فی الفقہ الحنفی

سیدنا غوث اعظم منبعِ علوم و معارف

کائنات کے افلاک میں جب قلمِ تقدیر نے لوحِ ممکنات پر صفحۂ ولایت رقم کیا، تو اُس کی تابندگی عالمِ کبریا کے انوارِ الٰہی سے منقش ہوئی، اور آبِ بقا کی قطروں سے وہ نورانی نوحۂ ہدایت تراشا گیا جس نے تمام کائنات کے قلبات کو منور کر دیا۔ یہی وہ غیبی اسرار ہیں جنہوں نے اہلِ علم و تقویٰ کے شعور میں ابدی جلوہ گری قائم کی۔ اور جب ذکرِ اولیائے اللہ کے اعلیٰ درجات کا ہوتا ہے، تو ذہن کے آئینے میں فی الفور کشف و کرامت کے مناظر ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر ولی اللہ کی عظمت اور کرامت کا بنیادی سبب، شریعتِ مطہرہ کی سخت پابندی اور علومِ دین پر کامل و جامع عمل ہے۔

یہ ستونِ نور ہیں جن پر استوار ہو کر انسان ربِّ کریم کے قرب کا مستحق بن جاتا ہے، اور یہی وہ نور ہے جو حقیقتِ ولایت کو کمال و عروج عطا کرتا ہے

انہی نورانی قطبوں میں ایک نام، ولیُ الاَولیاء، امامُ الاَصفیاء، قُطب الاَقطاب، غوثُ الاَغواث، تاجُ الاَوتاد، مرجع الاَبدال، غوثِ اعظم ابو محمد سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ جیسے آسمانِ طریقت میں آپ روشن آفتاب ہیں، ویسے ہی چرخِ شریعت میں آپ مہتاب کی مانند چمکتے ہیں۔

ربّ کریم نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو علم و عمل، شریعت و حقیقت کے بے مثال مظاہر سے ممتاز فرمایا۔ آپ کی ولایت اور کرامت کی بنیاد شریعتِ مطہرہ پر کامل استقامت اور علومِ دین کی گہری بصیرت تھی، جس کی روشنی آج بھی اہلِ معرفت

کے قلب و ذہن کو منور کرتی ہے۔

جیساکہ سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت منسوب "قصیدۂ غوثیہ" کے ایک شعر میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں:

"دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْباً
وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَّوْلَی الْمَوَالِیْ"

میں (ظاہری و باطنی) علم پڑھتے پڑھتے قُطب بن گیا اور میں نے خالق ارض و سماء کی مدد سے سعادت کو پالیا۔

حضور اعلیٰ حضرت فتاویٰ رضویہ شریف میں فرماتے ہیں کہ

"روی عن السید الکبیر القطب الشهیر سید أحمد الرفاعی رضيي الله تعالٰی عنه انه قال الشیخ عبد القادر بحر الشریعة عن یمینه وبحرالحقیقة عن یساره من ایهما شاء اغترف السید عبدالقادرلا ثانی له فی عصرنا هذا رضی الله تعالٰی عنه."

سید کبیر قطب شہیر سید احمد الرفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: شیخ عبد القادر وہ ہیں کہ شریعت کا سمندر ان کے دہنے ہاتھ ہے اور حقیقت کا سمندر ان کے بائیں ہاتھ، جس میں سے چاہیں پانی پی لیں۔ اس ہمارے وقت میں سید عبد القادر کا کوئی ثانی نہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۲۸ صفحہ ۳۹۶، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ لاہور)

سیدنا غوث پاک کے علمی مشاغل

قطبُ الاقطاب، غوثُ الاَغواث، شیخ عبدالقادر جیلانی قُدِّسَ سِرُّہ کے علمی مشاغل کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تقریبًا تیرہ علوم و فنون پر گفتگو فرمایا کرتے تھے اور اپنے مدرسہ میں مختلف اوقات میں مختلف مضامین و علوم کا درس و تدریس جاری رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو عبداللہ محمد بن خضر حسینی موصلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا کہ میں نے اپنے والدِ محترم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"كان سيدي الشيخ محيي الدين عبدالقادر رضي الله عنه يتكلم في ثلاثة عشر علماً، و كان يذكر في مدرسته درساً من التفسير، و درساً من الحديث، و درساً من المذهب، و درساً من الخلاف، و كان يقرأ عليه طرفي النهار التفسير و علوم الحديث، والمذهب والخلاف، والأُصول، والنحو، كان يُقرئ القرآن بالقراءات بعد الظهر."

(بهجة الاسرار ومعدن الانوار: مصنفه، نور الدين ابي الحسن علي بن يوسف بن جرير مكتبة دار الكتب العلمية، بروت لبنان، ص225)

یعنی میرے امیر حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تیرہ علوم میں کلام فرمایا کرتے تھے اور اپنے مدرسہ میں علمِ تفسیر، حدیث، مذہب اور خلافیات کا درس دیا کرتے تھے۔

صبح و شام لوگ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے علمِ تفسیر، علمِ حدیث، مذہب، خلافیات، اُصول اور نحو پڑھا کرتے تھے، اور ظہر کے بعد آپ سات قراءت میں قرآنِ مجید پڑھایا کرتے تھے۔

حضور غوثِ اعظم کا فنِ افتاء میں کمالِ مہارت

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلا مبالغہ اپنے زمانے کے مفتی اعظم تھے اور فنِ افتاء میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ چنانچہ امام ابوالفرج عبدالرحمن بن امام ابوالعلی نجم الدین بن حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"سمعت والدي رحمه اللّٰه تعالیٰ يقول: كان الشيخ محيي الدين عبدالقادر رضي اللّٰه عنه ممن سلّم إليه علم الفتاوى بالعراق في وقته."

(بهجة الاسرار ومعدن الانوار: مصنفه، نور الدين ابي الحسن علي بن يوسف بن جرير مكتبة دار الكتب العلمية، بروت لبنان، ص١٢٥)

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عراق میں ان افراد میں سے تھے جن کی طرف علمِ فتاویٰ اس زمانے میں سپرد کیا جاتا تھا۔

فتویٰ دینے کا حیران کن انداز

سلطان الاَولیاء سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کے پاس دور دراز سے سوالات آتے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہیں بڑی مہارت اور تیز رفتاری سے شرعی جوابات دیتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس جَلد فتاویٰ دینے کے انداز کو دیکھ کر اُس وقت کے فقہاء بھی حیران رہ جاتے تھے آپ بالعموم شافعی و حنبلی مذہب کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔

چنانچہ بہجۃ الاسرار و معدن الانوار میں نقل ہے:

"كانت الفتاوى تأتي الشيخ محيي الدين عبدالقادر رضي اللّٰه عنه من بلاد العراق وغيريه، وما رَأيناه يبيت عنده فتوى ليطالع عليها، أو يفكر فيها، بل يكتب عليها عقيب قراءتها، وكان يفتي على مذهبي الشافعي و أحمد، وكانت فتاواه تعرض على علماء العراق، فما كان يعجبهم صوابه فيها أشد من تعجبهم من سرعة جوابه عنها."

(بهجة الاسرار ومعدن الانوار: مصنفه، نور الدين ابي الحسن علي بن يوسف بن جرير مكتبة دار الكتب العلمية، بروت لبنان، ص۱۲۵)

یعنی سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں عراق وغیرہ سے فتاویٰ آتے تھے، اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہیں فوراً پڑھ کر جواب لکھ دیا کرتے تھے، بغیر کسی تاخیر یا غور و فکر کے۔ اور یہ فتاویٰ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مطابق دیا کرتے تھے۔ عراق کے علماء آپ کی درستگی سے زیادہ آپ کے تیز فتاویٰ دینے پر حیران رہ جاتے تھے۔

سیدنا غوث اعظم معدن علوم وفنون

رب تعالیٰ نے حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم و عمل اور فنِ افتاء میں وہ کمال عطا فرمایا تھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان تمام میں بادشاہت رکھتے تھے۔ جو بھی طالب علم اس در پر آتا، وہ اتنا سیراب ہوتا کہ کہیں اور جانے کی حاجت باقی نہ رہتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں تمام علوم کا جامع بنا دیا تھا۔

چنانچہ قاضی القُضاۃ، شیخ الشیوخ، شمس الدین ابو عبداللہ محمد المقدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"دخلنا بغداد سنة إحدى وستين و خمسمائة (561) فإذا الشيخ الإمام محيي الدين رضي اللّٰه عنه ممن انتهت إليه الرئاسة بها علماً وعملاً، وحالاً و إفتاءاً، وكان يكفي طالب العلم عن قصد غيره من كثرة ما اجتمع فيه العلم والصبر على المشتغلين و سعة الصدر، وكان مِلْء العين."

(بهجة الاسرار ومعدن الانوار: مصنفه، نور الدين ابي الحسن علي بن يوسف بن جرير مكتبة دار الكتب العلمية، بروت لبنان، ص225)

یعنی ہم نے 561ھ میں بغداد میں دیکھا کہ شیخ محی الدین (غوثِ اعظم) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ شخصیت ہیں جنہیں علم، عمل، حال اور فتاویٰ میں ریاست حاصل تھی۔ طلباء کو کسی اور کی طرف جانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ غوثِ پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں تمام علوم جمع تھے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طلباء کو صبر اور فراخدلی کے ساتھ تعلیم دیتے تھے۔

مفتیِ شرع بھی ہے قاضیِ ملت بھی ہے
علمِ اسرار سے ماہر بھی ہے عبد القادر
سلک عرفان کی ضیا ہے یہی درِ مختار
فخرِ اشباہ و نظائر بھی ہے عبد القادر

رب تعالیٰ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علوم و فیضان سے ہمیں

مستفیض فرمائے، آمین۔ بجاہ سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه افضل الصلاة والتسليم

مزید تفصیلات کے لیے ''التحفة القادرية في المقامات العلميّة المعروف به غوث اعظم کا علمی مقام کا مطالعہ فرمائیں۔

خامہ فرسائی:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

بچباری، آبادپور، کٹیہار (بہار)

شائع کردہ؛ 4 اکتوبر 2025ء......

خواجہ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا

سرزمین ہند وہ مبارک خطہ ارضی ہے، جسے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا؛ پھر اس کی تقدیس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا، یہاں تک کہ وہ دور بھی آیا جس میں خواجہ خواجگان حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارد ہوئے، اس وقت ہر چہار جانب کفرو شرک کا دار دورہ تھا، بت پرستی عام تھی، سماجی حالات حد درجہ خراب تھے، ظلم وستم کا بازار گرم تھا، حق وصداقت کا دور دور تک پتہ نہ تھا، ظلم وطغیان چھایا ہوا تھا، وحشت وبربریت پھیلتی جارہی تھی، لوٹ گھسوٹ چوری عیاشی اور شراب نوشی میں لوگ منہمک تھے، حقوق العباد غصب کرنا عام طور پر ضروری بن چکا تھا ،جگہ جگہ انتشار تھا بے چینی وبے قراری تھی، گویا ہندوستان کی تہذیب اپنی شمع گل کر چکی تھی۔

ایسے گھٹا ٹوپ ماحول میں معین الملۃ والدین حضرت خواجہ غریب نواز مصلح اعظم بن کر رونق افروز ہوئے اور دلوں سے کفر کی آلائشوں کو دور کیا سماج میں سدھار پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی مادیت کے مقابلے میں روحانیت کو فروغ دیا، ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں اہل شرک کو ایمان واسلام کا دلدادہ بنادیا۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی زندگی سادہ بھی تھی، اور پرکشش بھی، ظاہری طور سے جدوجہد کا لبادہ تو اوڑھے ہوئے تھے ہی روحانیت اور کرامت کی قوت سے بھی لیس تھے۔

تاریکی جب بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو محض مادی اسباب وآلات کام نہیں دیتے ،ایسے وقت اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ترین بندوں مافوق الفطرت روحانی قوتوں سے سرفراز فرماکر میدان عمل میں بھیجتا ہے،اور وہ اپنے ظاہر وباطن دونوں طرح کے اعمال وکمالات سے مخلوق کی ڈوبتی نیّا کو کھینچنے اور پار لگانے کا کام کرتے ہیں، خواجہ خواجگان حضرت غریب نواز انہیں نفوس قدسیہ میں تھے جن کو خداے قادر وقیوم نے ظاہری وباطنی دونوں قوتوں سے نوازا تھا۔

حسب ونسب

سیدنا حضرت خواجہ معین الدین اجمیری غریب نواز قدس سرہ والد ماجد کی طرف سے حسینی اور والدہ محترمہ کی طرف سے حسنی ہیں، آپ کا سلسلہ نسب نویں پشت میں سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔آپ کے والد گرامی کا نام حضرت سید غیاث الدین حسن الحسینی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

ولادت تعلیم وتربیت

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت با سعادت ۱۴ رجب المرجب ۵۳۷ھ (پیر شریف) کوعلاقہ سجستان (سیستان) کے قصبہ سنجر میں ہوئی۔ والد گرامی نے آپ کا نام حسن رکھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خواجہ غریب نواز معین الدین کے نام سے دنیا میں مشہور کیا۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ چودہ سال کے تھے کہ آپ کے والد گرامی کا انتقال ہوگیا۔ اُن کے ترکہ سے کچھ نقدی اور باغ میراث ملا نقدی کو راہ خدا میں خرچ کردیا۔

باغ گزر اوقات کے لئے باقی رکھا چند روز کے بعد ایک اللہ والے کی نگاہ پڑ جانے سے دنیا سے متنفر ہو کر علم و عمل اور زہد و تقوی کی طرف راغب ہوئے۔ اور وطن چھوڑ کر حصول علم کے لئے سفر اختیار فرمایا۔

سب سے پہلے آپ خراسان تشریف لائے۔ حضرت مولانا حسام الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر عربی، فارسی کے تمام مروجہ علوم وفنون پڑھے۔ بعد ازاں تفسیر، حدیث اور فقہ اسلامی کی تکمیل کے لئے کئی سال مختلف شہروں کی طرف پیدل چل کر متعدّد اساتذہ کی شاگردی اختیار فرمائی۔

حضور غوث پاک کے زیر تربیت رہے

معتبر روایات کے مطابق حضرت خواجہ غریب نواز نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باطنی فیوض و برکات بھی حاصل کیں۔ آپ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کم و بیش ۵ ماہ تک شہنشاہ اولیا، محبوب سبحانی الشیخ سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر رہے اور باطنی علوم و معارف کے خزانوں سے مالامال ہوتے رہے۔ اس عرصہ میں آپ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ آپ سرکار غوث پاک کے ساتھ ایک حجرہ میں تقریباً ۷۵ دن تک مقیم رہے۔

اس دوران کے حضرت معین الدین چشتی کو روحانی مدارج طے کرانے خواجہ غریب نواز بنانے میں حضور غوث پاک کا اہم کردار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلان فرمایا کہ ”قدمی هذه علی رقبة کل ولی اللہ “یعنی، میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے تو اس وقت حضرت خواجہ اجمیری

غریب نواز منازل سلوک طے کرنے کے لیے خراسان کے پہاڑوں میں خلوت نشین تھے جوں ہی آپ نے یہ فرمان سنا تو فوراً اپنی گردن جھکا کر عرض کیا ”بل قدماک علی راسی و عینی“، یعنی بلکہ آپ کا قدم میرے سر آنکھوں پر۔

حضرت خواجہ نے بہت سارے علماء اور صلحاء سے اکتساب فیض کیا۔ بالخصوص اپنے مرشد صادق حضرت الشیخ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالی عنہ کی نگرانی میں باطنی علوم اور سلوک و معرفت کی بہت ساری منزلیں طے کیں۔

(سوانح سرکار غریب نواز: ص ۳ مصنف علامہ فیض احمد اویسی)

اونٹ بیٹھے ہی رہ گئے

حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف میں بالکل نووارد تھے جا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے، ایک شخص نے روکا کہ یہاں مہاراج کے اونٹ بیٹھتے ہیں۔

آپ اٹھ کر تالاب اناساگر پر جا بیٹھے، جہاں صدہابت خانے تھے، اگلے روز اونٹوں کو اٹھانا چاہا تو وہاں سے نہ اٹھ سکے بادشاہ کے عملہ بہت پریشان ہوئے کہ آخر ماجرا کیا ہے، آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ کل ہم نے ایک فقیر کو یہاں سے زبردستی اٹھا دیا تھا شاید یہ اس کی بددعا کا نتیجہ ہے،

تمام لوگوں نے آپ کو تلاش کیا اور اناساگر پر بیٹھا ہوا پایا، آپ سے معافی مانگی اس کے بعد اونٹ اپنی جگہ سے اٹھ سکے۔

(سیرت خواجہ غریب نواز: ۳۳، مطبوعہ مکتبہ طیبہ ممبئی)

جوگی جے پال سے عبداللہ تک

راجہ پرتھوی راج بالکل گھبرا چکا تھا اسی عالم میں اس نے جے پال جوگی کو جو ارض ہند کا سب سے نامور اور بڑا جادوگر تھا بلوایا، وہ مرگ چھالا (ہرن کی بالوں سمیت کھال جس پر بیٹھ کر درویش لوگ عبادت کرتے ہیں) پر ڈیڑھ ہزار چیلوں کو ساتھ لئے ہوئے بہ سرعت اجمیر پہنچ گیا اور ایک خوف ناک قوت کے ساتھ مقابلہ کے لیے بڑھا اس طرح کہ جادو کے شیر، اژدہے ساتھ ہیں اور سب آگ کے چکر پھینکتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے مخلوق عظیم ساتھ تھی، ہمراہی جادو کا یہ دہشت خیز سامان دیکھ کر گھبرائے۔

آپ نے سب کے گرد حصار کھینچ دیا، اب ایک طرف سے سانپ بڑھنے شروع ہوئے، دوسری طرف سے شیر چلے اوپر سے سامنے سے آگ برسنی شروع ہوگئی۔

دہشت ناک سما تھا، اہلِ شہر تک لرز رہے تھے، کوئی حصار کے اندر قدم نہ رکھ سکتا تھا، آپ نماز میں مصروف تھے جس کے بعد آپ نے ایک مٹھی خاک جو پھونک کر پھینکی سارا طلسم فنا ہو کر رہ گیا۔

اب میدان صاف تھا اور جے پال ہزیمت زدہ شکست خوردہ کھڑا تھا، اسے پرواز کا پورا ملکہ تھا، چنانچہ اڑا تو فضاؤں کی بلندیوں میں جا داخل ہوا مگر حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کھڑاؤں کو حکم فرمایا آپ کی کھڑاؤں اسے مارتے ہوئے زمین پر لا گرائی اب اس نے مطیع ہو کر، پاؤں پر گر کر معافی مانگی، مسلمان ہوا اور مرتبہ کمال کو پہنچا۔

اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ یہ اللہ کی دین ہے کہ وہ انتہائی شقاوت پسندوں اور بدبختوں کو بھی باذنہ تعالیٰ ہدایت دے کر آن کی آن میں انتہائی سعید بنا دیتا ہے۔

(سیرت خواجہ غریب نواز: ۳۴، مطبوعہ مکتبہ طیبہ ممبئی)

اناساگر پیالے میں

جبر و تشدد کا نظام جب پرستاران حق کی روحانی قوت سے مرعوب ہوتا ہے تو مادی وسائل سے زندگی پر قدغن لگانے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ راجہ نے حق و باطل کے اس معرکہ میں اہل حق پر قابو پانے کے لیے یہ وطیرہ بھی اختیار کیا کہ اناساگر جس کا پانی تمام اہل شہر، چرند و پرند پیتے تھے، حضرت خواجہ کے ہمراہیوں کے لیے اس سے سیراب ہونے کی ممانعت کر دی، تالاب کے کنارے سخت پہرہ بٹھا دیا گیا۔

جب حضرت خواجہ کو اس غیر اخلاقی طرز عمل کا علم ہوا تو آپ نے شادی دیو سے کہا جس طرح بھی ممکن ہو اناساگر سے ایک پیالہ پانی لاؤ، شادی نے پیالہ لیا ہمت و جرأت کے ساتھ آگے بڑھا، پہرے کے باوجود تالاب تک پہنچ گیا، جونہی پیالہ پانی میں ڈالا سارا پانی سمٹ کر پیالہ میں داخل ہو گیا، اور لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ وسیع و عریض اناساگر خشک ہو گیا۔

جہاں چند لمحہ پیشتر صاف شفاف پانی موجیں مار رہا تھا، اب وہاں خاک اڑ رہی ہے، شادی دیو پانی سے بھرا ہوا پیالہ لے کر خواجہ صاحب کے پاس گیا اور تمام اصحاب خواجہ کی ضرورت اس سے پوری ہونے لگیں، سب کی ضرورت پوری ہوتیں اور پانی کم نہ ہوتا۔ چونکہ اناساگر ہی سے اجمیر کے اکثر باشندوں کی ضرورت پوری

ہوتی تھی۔

جے پال نے جب یہ حال دیکھا تو دائرہ حصار کے قریب آیا اور کہا، بندگان خدا پیاس کی شدت سے ہلاک ہو رہے ہیں، تم خود کو فقیر کہتے ہو فقیر کو رحم دل ہونا چاہئے نہ کہ ظالم، اقتضائے دریادلی یہ ہے کہ بندگان حق کو پانی دے دو۔

حضرت خواجہ نے جب جے پال جوگی کی عرض سماعت فرمائی، شادی دیو کو حکم دیا کہ اناساگر کے جس مقام سے پانی لائے ہو وہیں پانی ڈال دو، شادی نے پیالہ آب اناساگر میں انڈیلا، دیکھتے ہی دیکھتے سارا تالاب پانی سے لبالب ہو گیا۔

(خواجہ غریب نواز اور ایک غلط فہمی کا ازالہ: ص ۴۵، ناشر: اسلامک ریسرچ سینٹر، بریلی شریف)

دربار خواجہ غریب نواز میں بادشاہوں کی حاضریاں

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ جب ہند تشریف لائے، اس وقت یہاں پرتھوی راج چوہان حکومت کر رہا تھا اس نے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی بہت مخالفت کی اور طرح طرح سے تبلیغ دین کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس بدانجام نے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو معاذ اللہ۔

قتل کرنے کی بھی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ الحمد للہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عزم پختہ تھا۔ دین کے لیے آپ پر جوش تھے۔ پرتھوی راج چوہان طرف سے ہزار رکاوٹوں کے باوجود آپ دین کی تبلیغ فرماتے رہے۔ آپ نے کرامات دکھا کر حسن اخلاق کے ذریعے مسلسل نیکی کی دعوت دے کر دین کا کام کیا بہت سارے کافروں کو کلمہ پڑھایا۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید راجہ کے ہاں ملازم تھا راجہ کو جب اپنے ملازم کے اسلام قبول کرنے کی خبر ہوئی تو اس پر ظلم کرنے لگا حضور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کو پتہ چلا تو آپ نے راجہ کو ظلم سے باز رہنے کا حکم بھیجا لیکن وہ ظالم اقتدار کے نشے میں مست تھا تکبر سے کہنے لگا یہ کون ہے جو یہاں بیٹھ کر ہم پر حکم چلاتا ہے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس کے غرور و تکبر کی خبر ملی تو فرمایا ہم نے اسے گرفتار کر کے لشکر اسلام کے حوالے کر دیا ابھی اس واقعے کو چند ہی دن گزرے تھے کہ سلطان معزالدین محمد غوری نے شہر پر حملہ کیا راجہ اپنی فوج کے ساتھ مقابلے پر آیا

مگر اسلامی لشکر کی جرأت و بہادری کے سامنے زیادہ دیر ٹھہر نہ سکا اخر ہتھیار ڈال کر عبرتناک شکست سے دوچار ہوا مسلمان سپاہیوں نے اسے زندہ گرفتار کر کے ذلت کے ساتھ سلطان محمد غوری کے سامنے پیش کر دیا۔

راجہ کو شکست دینے کے بعد سلطان محمد غوری رحمۃ اللہ علیہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اجمیر شریف حاضر ہوئے اور اپ کے دست حق پر بیعت کی۔

(اقتباس الانوار ص ۳۶۸)

ہمارے خانہ دل میں خیال غیر کیا آئے
یہ کاشانہ ہے کاشانہ معین الدین چشتی کا
تم ہی اے راقم دیوانے ہو کیا سارے زمانے میں
زمانہ بھی ہے دیوانہ معین الدین چشتی کا

تبلیغ اسلام پر ثابت قدم رہے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ تبلیغ اسلام کا نصب العین لے کر ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ اپنے اس نصب العین کے حصول کی خاطر انہوں نے مضبوط کردار اور جدوجہد کی جو مثال پیش کی وہ لاثانی ہے۔

آپ کو ہر قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کے راستے میں بے شمار موانع (رکاوٹیں) تھی کئی طاقتور مخالفوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ والی اجمیر پرتھوی راج بھی حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا مخالف تھا۔

کوئی مشکل اور کوئی مخالفت آپ کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔ آپ کا ناقابلِ شکست جذبہ، دقیق نظر، بلند تصور، آہنی عزم، پاکیزہ دل اور اعلیٰ روحانی قوت ہر مشکل پر غالب آتی چلی گئی۔

وصال شریف

آفتاب ولایت جس رات افق عالم سے روپوش ہوا۔ وہ ٦ رجب المرجب ٦٣٣ھ، ١٦ مارچ ١٢٣٦ء دوشنبہ کی شب تھی۔ شب وصال چند اولیاء اللہ نے سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم رؤیا میں یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ "ہم آج محبوب خدا معین الدین چشتی کے استقبال کے لیے آئے ہیں۔

وفات کے دن بعد نمازِ عشاء آپ نے حجرہ شریف کا دروازہ بند کر لیا اور خدام کو اندر آنے کی ممانعت کر دی۔

خدام حجرہ کے باہر موجود رہے، رات بھر کانوں میں طرح طرح کی آوازیں آتی

رہیں، اخیر شب میں یہ آواز موقوف ہوگئی۔

جب نماز صبح کا وقت ہوا اور حجرہ شریف کا دروازہ حسب معمول نہ کھلا تو کسی طرح دروازہ کھولا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ کہ آپ واصل بحق ہو چکے ہیں اور جبینِ مبارک پر بخط قدرت '' هذا حَبِيبُ اللَّهِ مَاتَ فِي حُبِّ اللَّه ''(اللہ کا حبیب اللہ کی محبت میں رخصت ہوگیا ہے) منقوش ہے۔

(خواجہ غریب نواز اور ایک غلط فہمی کا ازالہ: ص ٦٣، ناشر؛ اسلامک ریسرچ سینٹر، بریلی شریف)

چمنے کہ تاقیامت گل او بہار بادا
صنمے کہ بر جمالش دوجہاں نثار بادا

اسلام کی دلکش بہاریں آپ کی دعوت و تبلیغ اور رشد و ہدایت کا نتیجہ ہیں کیونکہ آپ کے گلشن ہدایت کی جو ہوا چلی تو بساط ہند میں نور اسلام سے چراغاں ہی چراغاں ہوگیا، یہی وجہ ہے کہ ہر شخص آپ کا قدردان ہے۔

بدعقیدگی کا سیلاب بھی آپ کی عظمت و رفعت کو متاثر نہ کرسکا اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک متاثر نہ کرسکے گا آپ کے عقیدت مند آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے رہیں گے اور بدعقیدگی کے چہرے پر لعنت و ملامت کے تیر برساتے رہیں گے۔ سرکار غریب نواز کی نگاہ ولایت سے دل بھی بدلے آپ کے خلفاء و متوسلین خاک ہند کے جس خطے پر پہنچے تو اسلام کا بول بالا ہوتا اور نور ہدایت پھیلتا اور کفر کا اندھیرا چھنٹتا چلا گیا۔

تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ آپ نے اجمیر شریف میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اسلام کا چراغ خوب جلایا، ہندوستان کے ہر دور کے خوش عقیدہ مسلمان اس

مقدس دربار گہربار میں حاضر ہوتے رہے ہیں۔اور انکے وسیلے سے دل کی مرادیں پاتے رہے۔

اس بارگاہ اقدس میں سلاطین ہند بھی پاپیادہ حاضر ہوتے رہے ہیں ،اور مشائخین طریقت بھی گردنیں خم کر رہے ہیں، اساطین علم و دانش بھی باادب آتے رہے ہیں،اور کج کلاہان زمانہ بھی خمیدہ نظر آتے رہے ہیں،کیونکہ آپ کی نگاہ جس پر پڑھتی دل کی دنیابدل جاتی۔

آپ کی بارگاہ میں جو بھی آتا فیض یاب ہو ہی جاتا، رہزن آتا رہبر بن جاتا، قاتل آتا محافظ بن جاتا،شقی آتا سعید بن جاتا، نااہل آتا اہل بن جاتا، سرکش آتا غلام بن جاتا کافر آتا مسلمان ہو جاتا فاسق آتا متقی بن جاتا، دشمن آتا حاشیہ بردار بن جاتا، جادوگر آتا تائب ہوکر عامل قرآن بن جاتا۔یعنی

خواجہ ہندوہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا

رب غافر قدیر حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے صدقے ہم سب کو دین متین کی خدمت کرنے کی توفیق عطافرمائے اور فیضان سرکار غریب نواز سے مالامال فرمائے مسلک اعلیٰ حضرت پر ثابت قدم رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

خامہ فرسائی؛

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی (بچباری آبادپور کٹیہار بہار)

فضیلت سال اخیر؛جامعہ علیمیہ جمداشاہی (بستی یوپی)

سوانح حیات امام شافعی علیہ الرحمہ

امام ابو عبداللہ بن محمد بن ادریس شافعی دوسری صدی ہجری کے عظیم امام اور مجتہد تھے، امام شافعی کا زمانہ علم اور عرفان کے عروج کا زمانہ تھا، ہر طرف علم و حکمت کے دھارے بہہ رہے تھے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی پہنچائی ہوئی احادیث تابعین کے سینوں میں موجزن تھیں، اور ان کے سینوں سے علوم و فنون کے سفینے منتقل ہو رہے تھے، امام شافعی کو امام مالک اور امام محمد بن حسن شیبانی جیسے یکتائے روزگار حضرات سے استفادہ کا فخر حاصل ہوا امام اعظم ابو حنیفہ کی تصانیف کے مطالعہ کا موقعہ ملا اور اخیار تابعین سے روایت کا شرف حاصل ہوا انہوں نے کتاب و سنت سے مسائل کے استخراج کے لیے اصول اور پیمانے وضع کیے اور فقہ میں بڑا نام پیدا کیا، ان کی شہرت شرق و غرب میں پھیل گئی، اور ان کے ماننے والوں میں بڑے بڑے دانائے روزگار پیدا ہوئے چنانچہ محدثین اور مفسرین کی بڑی اکثریت فقہ شافعی سے ہی تعلق رکھتی ہے، اور آج انڈونیشیا، ملیشیا، مصر اور دیار عرب کے اکثر علاقوں میں آپ کے مقلدین موجود ہیں۔

ولادت و سلسلہ نسب

امام شافعی کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ملتا ہے، حافظ ابو نعیم نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح ذکر کیا ہے۔ ابو عبداللہ بن محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف غزہ یا عسقلان کے مقام پر ۱۵۰ھ میں امام شافعی

کی پیدائش ہوئی۔

(تذکرۃ المحدثین: ص ۱۲۰، مکتبہ قادریہ لاہور، بحوالہ حلیتہ الاولیاء: جلد ۹ صفحہ ۶۷)

عام حالات

دو سال کی عمر میں آپ کی والدہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آگئیں اور آپ نے وہیں پرورش پائی اور سن تمیز سے ہی علوم وفنون کی طرف توجہ کرنی شروع کر دی۔ ابتداء شعر، لغت اور تاریخ عرب کی طرف توجہ تھی اس کے بعد تجوید و قرأت اور حدیث وفقہ کی تحصیل شروع کی بارہ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے مؤطا کو حفظ کر لیا اور اس کے بعد امام مالک کی خدمت میں پہنچے اور ان پر مؤطا کی قرأت کی، امام شافعی نے علوم دینیہ کی طرف اپنے رحجان کا واقعہ خود اس طرح بیان فرمایا ہے کہ میں اشعار سے شغف رکھتا تھا اور عرب بدوؤں سے سماع کرتا تھا، ایک دن میں ذوق و شوق سے لبید کے اشعار پڑھ رہا تھا ناگاہ ایک حجبی نے مجھے نصیحت کی کہ اشعار میں پڑکر کیوں وقت ضائع کرتے ہو جاؤ جاکر فقہ کا علم حاصل کرو، امام شافعی فرماتے ہیں میرے دل پر اس کی بات کا بڑا اثر ہوا اور میں نے مکہ جاکر ابن عینیہ سینوٹ لینے شروع کر دیے پھر مسلم بن خالد زنجی کی مجلس میں آیا اور اس کے بعد امام مالک بن انس کی خدمت میں پہنچا۔

اساتذہ:

امام شافعی کو اپنے زمانہ میں بہترین افاضل اور یگانہ روزگار افاضل سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان اساتذہ میں مسلم بن خالد زنجی مالک بن انس ابراہیم بن سعد، سعید بن سالم القداح، دراوردی، عبدالوہاب ثقفی ابن

علیتہ، ابن عینیہ، ابی نمرہ خاتم بن اسماعیل، ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ، اسماعیل بن جعفر، محمد بن خالد الجندی، عمر بن محمد بن علی بن شافع، عطاف بن خالد المخزومی، اور ہشام ابن یوسف الصنعانی، حافظ ذہبی نے ان کے علاوہ محمد بن علی اور عبد العزیز بن ماجشون کا بھی ذکر کیا ہے۔

امام محمد سے تلمذ

یوں تو امام شافعی کے فن حدیث اور فقہ میں اساتذے کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن جس شخصیت کا رنگ ان میں سب سے زیادہ نظر آتا ہے وہ امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد رشید امام محمد بن حسن شیبانی ہیں، علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد کے مشہور تلامذہ میں سے ایک امام شافعی ہیں۔ امام محمد نے امام شافعی کی والدہ سے شادی کی اور اپنا تمام مال اور کتابیں امام شافعی کے حوالے کردیں۔

اور امام محمد کی تصانیف کے مطالعہ سے ہی ان میں فقاہت کا ملکہ پیدا ہوا اور امام محمد کے اسی فیضان سے متاثر ہو کر امام شافعی نے کہا جو شخص فقہ میں نام کمانا چاہتا ہو وہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب سے استفادہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے استنباط مسائل اور استخراج احکام کی راہیں ان لوگوں پر کشادہ کردی ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ قسم بخدا مجھے فقہاہت ہرگز نصیب نہ ہوتی اگر میں امام محمد کی کتب کا مطالعہ نہ کرتا اور امام شافعی نیز فرماتے ہیں:

''امن الناس علی فی الفقه محمد بن الحسن''

جس شخص کا فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ہے وہ امام محمد بن حسن شیبانی

ہیں۔

تلامذہ:

امام شافعی کے حدیث اور فقہ میں بے شمار شاگرد ہیں جن چند حضرات کا حافظ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں سلیمان بن داؤد ہاشمی، ابوبکر عبداللہ بن الزبیر حمیدی، ابراہیم بن منذر جزامی، ابو ثور ابراہیم بن خالد، احمد بن حنبل، ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ مزنی، ربیع ابن سلیمان مرادی، ربیع بن سلیمان جنیدی، عمرو بن سواد عامری، حسن بن محمد بن صباح، زعفرانی، ابوالولید موسیٰ بن جارود مکی، یونس بن عبد الاعلی اور ابو یحییٰ محمد بن سعید بن غالب عطار۔

زہد و تقویٰ

امام شافعی رضی اللہ عنہ علمی و وجاہت اور فقہی متانت کے باوجود عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں ان کی عبادت کے جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے ہر واقعہ اپنی جگہ ایک خرق عادت اور مستقل کرامت معلوم ہوتا ہے۔

ربیع ابن سلیمان کہتے ہیں کہ امام شافعی رمضان کے نوافل میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم کو ختم کرتے تھے۔ عام ایام میں وہ رات کے تین حصے کرتے، پہلے حصے میں تصنیف و تالیف کا کام کرتے اور دوسرے میں نوافل پڑھتے اور تیسرے حصہ میں نیند کیا کرتے تھے۔

ابراہیم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے عمدہ کسی شخص کو نماز پڑھتے

ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ کہتے ہیں ان کی نماز مسلم بن خالد کے نماز کے مشابہ تھی اور ان کی نماز مسلم بن جریج کی نماز کے مماثل تھی اور مسلم بن جریج کی نماز عطا کی نماز سے اور عطا کی نماز عبداللہ بن زبیر سے اور عبداللہ بن زبیر کی نماز ابوبکر صدیق سے اور ابوبکر صدیق کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے اور رسول اللہ کی نماز جبریل امین کی نماز سے مشابہ تھی۔

ایک مرتبہ کوئی شخص قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کر رہا تھا:

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ

(سورة المرسلت : آیت ٣٦/٣٥)

اس آیت کو سنتے ہی امام شافعی کے چہرہ کا رنگ متغیّر ہو گیا، جسم پر لرزہ طاری ہوا اور خوف الٰہی کی شدت سے ہوش و حواس جاتے رہے اور وہیں سر بہ سجدہ ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا تو کہنے لگے

'' الھم إنی اعوذبک من مقام الکذابین ومن اعراض الجاھلین ھب لی من رحمتک و جللنی بسترک واعف عنی بکرمک ولا تکلمنی الٰی غیرک ولا تقنطنی من خیرک ''

پند و نصائح

امام شافعی کے نصیحت آمیز اقوال اور حکمت سے لبریز کلام کو بھی تذکرہ نویسوں نے جمع کیا ہے جس سے لوگوں کے لیے امام شافعی کی خیر خواہی کے جذبات کا پتہ چلتا ہے۔ امام شافعی طلباء کے بارے میں فرماتے ہیں کہ علم کی طلب کرنا نفلی نماز سے بہتر

ہے اور جو شخص دنیا اور اخرت کی سعادت چاہتا ہو وہ علم اور اس کے مقتضی پر عمل کو لازم کرے۔

نیز فرمایا جو شخص اپنی عزت اور وجاہت کو قائم رکھ کرانانیت سے علم حاصل کرنا چاہے وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا، اور جو عجز انکساری سے علم حاصل کرے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

علماء کے بارے میں فرماتے ہیں علماء کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں کہ وہ دنیا میں رغبت اور آخرت سے زہد کریں، فرمایا علماء کا فقر اختیاری اور جو حال کا فقر اضطراری ہوتا ہے۔

نیز فرمایا جو شخص اپنے احباب کو تنہائی میں نصیحت کرتا ہے وہ اس کی خیر خواہی کرتا ہے۔ اور جو لوگوں کے سامنے اس کو نصیحت کرتا ہے وہ اس کو رسوا کرتا ہے۔ اور فرمایا تواضع بلند کردار لوگوں کی صفت ہے اور تکبر بد خلق لوگوں کا طریقہ ہے آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر علماء اللہ تعالی کے اولیاء نہیں ہوتے تو پھر کوئی شخص اللہ کا ولی نہیں ہوتا کیونکہ وہ جاہلوں کو اپنا دوست نہیں بناتا۔

وصال:

سترہ(۱۷) امام شافعی پوری زندگی ملت اسلامیہ کی خدمت کرتے رہے، انہوں نے اپنی زندگی کی ۵۴ بہاریں چمن اسلام کی نکھار میں گزار دی اور ماہ رجب کے آخری تاریخ کو جمعہ کی شب مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد ۲۰۴ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

آپ کا مزار مبارک مصر کے شہر قرافتہ میں ہے۔

مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی جب مرض موت میں مبتلا تھے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے پوچھا حضور کیا حال ہے فرمایا دنیا سے کوچ اور احباب سے جدائی کا وقت ہے، موت کا پیالہ پیش ہوا چاہتا ہے، اور نتیجہ اعمال نکلنے والا ہے عنقریب اللہ کے دربار میں حاضری ہوگی، کون جانے کہ میری روح جنت کی طرف روانہ ہوگی جس پر میں اس کو مبارک باد دوں یا نار کی طرف جس پر میں اس سے تعزیت کروں پھر آپ پر گریہ طاری ہوگیا اور آپ وجد کی حالت میں بار بار یہ شعر پڑھتے رہے

’’ تعاظمنی ذھنی فلما قرنته، بعفوک ربی کان عفوک اعظما ‘‘

تو میرے گناہ بہت بڑے بڑے ہیں لیکن میں تیری رحمت کی طرف نظر کرتا ہوں تو وہ میرے گناہوں کی سنسبت کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

راقم الحروف:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی (بچباری، آباد پور، کٹیہار)

فضیلت سال اخیر، جامعہ علیمیہ جمدا شاہی (بستی یوپی)

سوانح حیات امام ابو جعفر طحاوی

امام ابو جعفر طحاوی علیہ الرحمہ کا اسم گرامی فقہ و حدیث کی تاریخ میں ایک ایسے آفتابِ علم کی حیثیت رکھتا ہے جس کی ضیا پاشیوں نے صدیوں سے اربابِ علم و تحقیق کی راہوں کو منور کر رکھا ہے۔ آپ ان نوادرِ روزگار ائمہ میں سے ہیں جن کی ذاتِ گرامی میں روایت و درایت، فقاہت و اجتہاد، حفظ و استحضار اور تحقیق و استنباط کے گوناگوں کمالات یکجا ہو گئے تھے۔

امام طحاوی علیہ الرحمہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے قلم نے فقہ کو استحکام بخشا ہے، جن کے استدلال نے علمِ حدیث کو نئی جہت عطا کی ہے، اور جن کی گراں قدر تصانیف آج بھی علمی مجالس میں حجت، بصیرت اور تحقیقی وقار کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔

امام طحاوی علیہ الرحمہ تیسری صدی کے ایک عظیم محدث اور بے بدل فقیہہ تھے، محدثین اور فقہاء کے طبقات میں آپ کا یکساں شمار کیا جاتا ہے، سلف صالحین میں ایسے جامع حضرات کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں، جو حدیث اور فقہ دونوں شعبوں میں سند کی حیثیت رکھتے ہوں۔

محدثین آپ کو حافظ اور امام کہتے ہیں، اور فقہاء امام طحاوی کو مجتہد قرار دیتے ہیں، شیخ عبد القادر فرماتے کہ آپ ثقہ نبیل اور حدیث کا مسکن تھے، امام سیوطی فرماتے کہ آپ حدیث اور فقہ میں امام علوم دینیہ کے ماویٰ اور احادیث نبویہ کے ملجأ تھے، حافظ ابو شیرازی کہا کرتے تھے کہ امام جعفر طحاوی اصحاب ابو حنیفہ کی ریاست کی منتہا

ہیں،(وصی احمد محدث سورتی)۔

ولادت

آپ کی پیدائش بالاتفاق یکشنبہ ۱۱ ربیع الاول مصر کے وادی نیل کے کنارے طحا نام کی ایک بستی میں ہوئی،اس وجہ سے آپ کو طحاوی کہا جاتا ہے۔البتہ آپ کی سن ولادت میں اختلاف ہے،حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) محدث محی الدین ابو محمد عبدالقادر (متوفی ۶۹۶ھ) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۲۹ھ) نے اور مولانا عبدالحئی لکھنوی (متوفی ۱۳۰۴ھ) نے امام طحاوی سے نقل کیا ہے انہوں نے اپنا سال ولادت ۲۳۹ھ بیان فرمایا ہے، اور امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)ان سے ۲۳۷ھ)نقل فرمایا ہے۔

نام ونسب:

آپ کا نام احمد ہے،کنیت ابو جعفر والد محمد۔آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن عبد الملک بن سلمۃ بن سلیم بن خباب الازدی المصری الطحاوی الحنفی ہے۔

ازدی؛چوں کہ آپ کا تعلق یمن کا ایک مشہور قبیلہ ”ازد“ سے ہے اس وجہ سے آپ کوازدی کہا جاتا ہے۔

حجری؛ قبیلہ حجر کے ایک شاخ ”حجر“ ہے اس وجہ سے آپ کوحجری کہاجاتا ہے۔حجر نام کے تین قبائل تھے (۱) حجر بن وحید (۲) حجر ذی امین (۳) حجر ازد، امام طحاوی کی جس قبیلہ کی طرف نسبت ہے وہ یہی ہے۔

مصری؛فتح اسلام کے بعد آپ کے آباء اجداد مصر کی طرف منتقل ہو گئے تھے

اس وجہ سے آپ کو مصری کہا جاتا ہے۔

حصول علم

علامہ طحاوی نے ابتدائی تعلیم اپنے ماموں ابو ابراہیم بن اسماعیل بن یحیٰ المزنی سے حاصل کی، چوں کہ آپ کے استاذ علامہ مزنی امام شافعی کے تلمیذ خاص تھے، اس لیے ان کی پیروی کرتے ہوئے علامہ طحاوی بھی شروع میں شافعی المسلک تھے۔

پھر جب علامہ احمد بن ابی عمران حنفی مصر میں قاضی کی حیثیت سے تشریف لائے تو علامہ طحاوی ان کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے اور ان سے متأثر ہو کر حنفی مسلک اختیار کر لیا علامہ طحاوی نے حدیث کے لیے مصر، یمن، حجاز، شام، کوفہ، بصرہ، اور خراسان وغیرہ کا سفر کیا۔

اساتذہ:

امام طحاوی ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے ماموں ابو ابراہیم مزنی سے فقہ شافعی پڑھنی شروع کی لیکن آپ کی طبیعت سلیمہ میں جو قوت استدلال کی تلاش اور نظر میں باریک بینی تھی اس نے بہت جلد آپ کا رخ شافعیت سے حنفیت کی طرف موڑ دیا۔ چنانچہ ۲۶۸ھ میں آپ نے مصر جا کر اس وقت کے شہرہ آفاق استاذ ابو جعفر احمد بن ابی عمران موسیٰ بن عیسیٰ سے فقہ حنفی کی تحصیل شروع کر دی۔ احمد بن ابی عمران فقہ حنفی میں زبردست دسترس رکھتے تھے اور دو واسطوں سے ان کا سلسلہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مل جاتا تھا۔

اس طرح امام طحاوی کی جو سند امام اعظم سے متّصل ہے اس کی تفصیل یہ ہے احمد

بن ابي عمران عن محمد بن سلمہ عن ابي يوسف عن ابي حنيفہ مصر کے بعد امام طحاوی شام چلے گئے اور وہاں شام کے قاضي القضاۃ ابو حازم سے فقہ کی تحصیل کی ان کے علاوہ مصر کے باقی مشائخ سے علم حدیث میں استفادہ کیا۔

اور جس قدر مشائخ حدیث ان کی زندگی میں مصر آئے ان سب سے امام طحاوی نے علم حدیث میں استفادہ کیا جن میں سلیمان بن شعیب کیسانی، ابو موسیٰ یونس بن عبد الاعلی الصدفی وغیرہ کے نام لیے جاتے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے علم حدیث میں امام طحاوی کے جن مشائخ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں یونس بن عبد الاعلی، ہارون بن سعید، محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم، بحر بن نصر، عیسی، ابراہیم بن ابی داؤد ابو بکر بکار بن قتیبہ اور امام ذہبی نے ان اساتذہ کے علاوہ عبد الغنی بن رفاعہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

تلامذہ:

امام طحاوی کی علمی شہرت دور دراز علاقوں میں پھیل چکی تھی اس لیے آپ سے استفادہ کرنے کے لئے دور دور سے تشنگان علم آتے تھے، جن سے بے شمار لوگوں نے آپ سے علم حدیث میں سماع حاصل کی ان میں سے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں، ابو محمد عبد العزیز بن محمد الھیتمی الجوہری، حافظ احمد بن القاسم بن عبد اللہ البغدادی المعروف بابن الخشاب، ابو بکر علی بن سعدویہ البروعی، ابو القاسم مسملۃ ابن القاسم بن ابراہیم القرطبی، ابو القاسم عبد اللہ بن علی الداودی، حسن بن القاسم بن عبد الرحمن المصری، قاضی ابن ابي العوام، ابو الحسن محمد بن احمد اخمینی، حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی المقری، ابو الحسن علی احمد الطحاوی، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب

الطبرانی صاحب المعجم، حافظ ابو سعید عبد الرحمن بن احمد بن یونس مصری، حافظ ابوبکر محمد بن جعفر بن الحسینی بغدادی میمون بن حمزہ العبیدی وغیرہ۔

(تذکرۃ المحدثین: ص۱۵۵، مکتبہ قادریہ لاہور، بحوالہ الجوہر المضیہ: ج ا ص ۱۰۴)

تبدیلی مسلک

علامہ عبدالعزیز پرہاروی ذکر فرماتے ہیں امام طحاوی ابتداء شافعی المذہب تھے، ایک دن انہوں نے کتب شافعیہ میں پڑھا کہ جب حاملہ عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو نکالنے کے لیے اس کے پیٹ کو چیرا نہیں جائے گا، برخلاف مذہب ابو حنیفہ۔

اور امام طحاوی کو مذہب حنفی پر پیٹ چیر کر نکالا گیا تھا، امام طحاوی نے اس کو پڑھ کر کہا میں اس شخص کے مذہب سے راضی نہیں جو میری ہلاکت پر راضی ہو پھر انہوں نے شافعیت کو چھوڑ دیا اور حنفی مسلک کو اختیار کیا اور اس مسلک کے عظیم مجتہد بن گئے۔

مولانا فقیر محمد جہلمی نے اس واقعہ کو ذرا اور تفصیل سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں، فتاوی برہنہ میں آپ کے انتقال مذہب کا یہ سبب لکھا ہے کہ آپ ایک دن اپنے ماموں سے پڑھ رہے تھے کہ آپ کے سبق میں یہ مسئلہ آیا کہ

”اگر کوئی حاملہ عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو برخلاف مذہب امام ابو حنیفہ کے امام شافعی کے نزدیک عورت کا پیٹ چیر کر بچہ نکالنا جائز نہیں“

آپ اس مسئلہ کے پڑھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اس شخص کی ہرگز پیروی نہیں کرتا جو مجھ جیسے آدمی کی ہلاکت کی کچھ پرواہ نہ کرے، کیونکہ آپ اپنی والدہ کے پیٹ میں ہی تھے کہ آپ کی والدہ فوت ہوگئی تھیں اور آپ پیٹ چیر کر نکالے گئے تھے، یہ حال دیکھ کر آپ کے ماموں نے آپ سے کہا خدا کی قسم تو ہرگز فقیہ نہیں ہوگا پس جب آپ خدا کے فضل سے فقہ وحدیث میں امام بے عدیل اور فاضل بے مثل ہوئے تو اکثر کہا کرتے تھے کہ میرے ماموں پر خدا کی رحمت نازل ہو اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنے مذہب شافعی کے بموجب ضرور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے۔

حدیث اور فقہ میں مہارت: ۲۷۰ھ کے بعد امام طحاوی نے مصر کے قاضی ابو عبداللہ محمد بن عبیدہ کی نیابت کا عہدہ قبول کرلیا، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں قاضی کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص آیا اور کہنے لگا ابو عبیدہ بن عبداللہ نے اپنی ماں سے اور انہوں نے اپنے باپ سے کونسی حدیث روایت کی ہے، جب شرکاء مجلس میں سے کسی شخص کو جواب نہ آیا تو میں نے اپنی سند کے ساتھ وہ حدیث بیان کی

''حدثنا بكار بن قتيبه حدثنا ابو احمد حدثنا سفيان عن عبدالاعلى الثعلبى عن ابى عبيد الله عن ابيه ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال ان الله ليغار للمومنين فليغر وحدثنا به ابراهيم بن ابى داؤد حدثنا سفيان بن وكيع عن ابيه عن سفيان موقوفا''

جب آپ اس کی مطلوب حدیث کو دوسندوں کے ساتھ مرفوعا و موقوفا بیان کر چکے تو وہ شخص بے ساختہ کہنے لگا شام کو میں نے آپ کو فقہا کے میدان میں دیکھا تھا

اور اب آپ حدیث کے میدان میں ہیں بہت کم لوگ ہوں گے جو ان دونوں فنون میں آپ کی طرح جامعیت رکھتے ہوں، آپ نے یہ سن کر فرمایا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ہے۔

تصانیف

امام طحاوی کثیر التعداد کتب کے مصنف تھے، مؤرخین اور تذکرہ نگار ہر دور میں آپ کو سراہتے رہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام، تاریخ، رجال، اور مناقب تقریبًا تمام موضوعات پر آپ کی تصانیف موجود ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) احکام القرآن (۲) شرح معانی الآثار (۳) مشکل الآثار (۴) اختلاف العلما (۵) کتاب المشروط (۶) الشروط الصغیر (۷) الشروط الاوسط (۸) مختصر الطحاوی فی الفقہ (۹) النوادر الفقہیہ (۱۰) کتاب النوادر والحکایات (۱۱) حکم ارض مکہ (۱۲) حکم الفیئی والغنائم (۱۳) نقص کتاب المدلسین (۱۴) کتاب الاشربہ (۱۵) الرد علی عیسیٰ بن ابان (۱۶) الرد علی ابی عبید (۱۷) اختلاف الروایات (۱۸) الرزیہ (۱۹) شرح الجامع الکبیر (۲۰) شرح الجامع الصغیر (۲۱) کتاب المحاضر والسجلات (۲۲) کتاب الوصایا والفرائض (۲۳) کتاب التاریخ الکبیر (۲۴) اخبار ابی حنیفہ (۲۵) عقیدۃ الطحاوی (۲۶) تسویہ بین اخبرنا وحدثنا (۲۷) سنن الشافعی (۲۸) صحیح الآثار۔

وصال؛

۸۲ بیاسی سال کی عظیم اور پُر شکوہ زندگی گزارنے کے بعد امام ابو جعفر طحاوی یکم ذیقعدہ ۳۲۱ھ میں وصال فرما گئے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں اسی سال مصر میں ان کے شیخ ابو بکر احمد بن عبد الوارث، مرات میں ابو علی احمد بن الباسانی، اصفہان میں ابو علی

الحسن بن محمد، بغداد میں حافظ سعید بن محمد بن کے علاوہ محمد بن الحسن ازوی، محمد بن نوح نیشاپوری، مکحول، بیرونی اور رئیس معتزلہ ابو علی جبائی انتقال کر گئے۔

(ماخوذ: تذکرۃ المحدثین، ص ۱۵۳، مکتبہ قادریہ لاہور)

رب غافر قدیر ہم سبھوں کو امام ابو جعفر طحاوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے فیضان سے مالا مال فرمائے، اور بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنے اور مسلک حق یعنی مسلک اعلیٰ حضرت پہ قائم و دائم رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

راقم الحروف:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی (بچباری، آبادپور، کٹیہار)

فضیلت سال اخیر، جامعہ علیمیہ جمداشاہی (بستی یوپی)

سوانح حیات امام محمد حسن شیبانی

فقہِ اسلامی واجتہاد کی زرّیں اور درخشاں روایت ایسے عباقرۂ روزگار، نوادرِ عصر اور یگانگانِ دہر کے تذکروں سے مرصع ومزین ہے جنہوں نے اپنے تبحرِ علمی، رسوخِ فقاہت، ژرف نگاہی، نادر اجتہادی بصیرت اور غیر معمولی استنباطی ملکہ کے ذریعے شریعتِ مطہرہ کے علمی و فکری نظام کو استحکام، وسعت اور دوام عطا کیا۔ ان اکابرِ امت میں ہر ایک اپنے اپنے دائرۂ کمال میں مرجعِ خلائق، مقتدائے علماء، محققِ عصر اور ترجمانِ شریعت کی حیثیت رکھتا ہے۔

انہی آفتابانِ علم و عرفان، اقطابِ فقہ واجتہاد اور سلاطینِ فقاہت کی درخشاں کہکشاں کا ایک نہایت تابندہ، باوقار اور عظیم نام امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جن کی حیرت انگیز ذہانت، غیر معمولی قوتِ حافظہ، عمیق فقہی بصیرت، دقیق اجتہادی ملکہ اور بے مثال علمی خدمات نے انہیں تاریخِ اسلام کے عظیم ترین فقہاء، مجتہدین، محدثین اور مصنفین کی صفِ اوّل میں ایسا بلند و رفیع مقام عطا کیا جس کی عظمت کا اعتراف موافق و مخالف، ہر طبقۂ اہلِ علم نے کیا ہے۔

امام محمد حسن شیبانی حدیث و فقہ کے استاذ امام اور مجتہد، عابد و زاہد، و فیاض صاحب تصانیف کثیرہ، واصل مراتب عظیمہ کے مالک ہے۔ آپ نے ایک لاکھ سے زیادہ مسائل مستنبط کیے۔

ہزار کے لگ بھگ کتابیں تصنیف کیں اور بے شمار شاگرد چھوڑے خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن الحشم نے یحیٰی بن صالح سے کہا تم امام مالک بن

انس اور امام محمد بن حسن دونوں کی خدمت میں رہے ہو، بتاؤ ان دونوں میں کون زیادہ فقیہ تھا۔ تو یحییٰ بن صالح نے بغیر کسی تردد کے جواب دیا امام محمد امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے۔

اور یہی خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ علوم فقہیہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان جس شخص کا ہے وہ محمد بن حسن ہیں امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام شافعی کہتے تھے کہ اگر میں یہ کہنا چاہوں کہ قرآن محمد بن حسن کی لغت میں اترا ہے تو میں یہ بات امام محمد کی وضاحت کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں اور مولانا عبد الحئ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا آپ نے یہ مسائل دقیقہ کہاں سے سیکھے، فرمایا امام محمد کی کتابوں سے۔

ولادت وسلسلہ نسب:

خطیب بغدادی حافظ ذہبی اور ابو محمد عبد القادر قرشی صاحب الجواھر المضیہ نے آپ کا نام اس طرح ذکر کیا ہے۔ ابو عبد اللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی حافظ ابن بزاد کردی اور دوسرے محققین نے بھی آپ کا نسب یونہی ذکر کیا ہے البتہ صاحب کافی نے ایک روایت سے آپ کا نسب یوں بھی بیان کیا ہے محمد بن حسن بن عبد اللہ طاوئس بن ہرمز ملک بنی شیبان لیکن صحیح نسب وہی ہے جس کو اکثر علماء نے بیان کیا ہے۔

نسبت شیبانی کے بارے میں بھی مختلف آراء ہیں بعض علماء کے خیال میں یہ آپ کے قبیلہ کی نسبت ہے اور بعض محققین کے نزدیک یہ نسبت دلائی ہے کیونکہ آپ کے والد بنو شیبان کے غلام تھے آپ کے والد حسن بن فرقد دمشق کے شہر حرب کے رہنے والے تھے بعد میں وہ ترک وطن کرکے عراق کے شہر واسط میں آگیے امام

محمد ۱۳۲ھ میں اسی جگہ پیدا ہوئے بعض تذکرہ نویسوں نے ۱۳۵ھ بھی سال ولادت تحریر کیا ہے۔

تعلیم وتربیت

واسط میں کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد آپ کے والد کوفہ چلے آئے اور امام محمد کی تعلیم وتربیت کا آغاز اسی شہر سے ہوا حرمین شریفین کے بعد کوفہ اس دور کا سب سے بڑا مرکز علمی خیال کیا جاتا تھا اس وقت کوفہ میں امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، مسعر بن کدام اور سفیان ثوری جیسے نابغہ روزگار حضرات کے علم وفضل کا چرچا تھا امام محمد نے قرآن کریم پڑھا علوم ادبیہ حاصل کئے اور پھر دینی علوم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

امام اعظم ابو حنیفہ کی خدمت میں؛ امام محمد ایک مرتبہ ایک اعظم کی مجلس میں حاضر ہوئے مجلس میں آکر امام صاحب کے بارے میں سوال کیا امام ابو یوسف نے اپ کی رہنمائی کی اپ نے امام اعظم سے دریافت کیا کہ ایک نابالغ لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے اور اسی رات فجر سے پہلے وہ بالغ ہو جائے تو وہ نماز دہرائے گا یا نہیں۔

امام اعظم نے فرمایا دہرائے گا امام محمد اسی وقت اٹھ کر ایک گوشہ میں نماز پڑھی امام اعظم نے یہ دیکھ کر بے ساختہ فرمایا انشاء اللہ یہ لڑکا۔رجل رشیہ ثابت ہو گا اس واقعہ کے بعد امام محمد گاہ گاہ امام اعظم کی مجلس میں حاضر ہوتے رہے کم سن تھے اور بے حد خوبصورت جب باقاعدہ تلمذ کی درخواست کی تو امام اعظم نے فرمایا پہلے قران حفظ کرو پھر آنا سات دن بعد پھر حاضر ہو گئے۔

امام اعظم نے فرمایا میں نے کہا تھا کہ قران مجید حفظ کر کے پھر آنا، عرض کیا میں نے قران کریم حفظ کر لیا ہے امام اعظم نے ان کے والد سے کہا اس کے سر کے بال منڈوا دو لیکن بال منڈوانے کے بعد ان کا حسن اور دمکنے لگا ابو نواس نے اس موقع پر یہ اشعار کہے۔

حلقوا راسه لیکسوه قبحا غیرة منهم علیه و شحا

کان فی وجهه صباح و لیل نزعوا لیله وابقوه صبحا

لوگوں نے ان کا سر منڈا دیا تا کہ ان کی خوبصورتی کم ہو ان کے چہرے میں صبح بھی تھی اور رات بھی رات کو انہوں نے ہٹا دیا صبح تو پھر بھی باقی رہی امام محمد چار سال تک امام اعظم کی خدمت میں رہے اور سفر و حضر میں بھی امام صاحب کے ساتھ رہے اور ان سے علوم دینیہ خصوصا فقہ میں برابر استفادہ کرتے رہے۔

امام ابو یوسف سے تلمذ:

فقہ ایک وسیع علم ہے کیونکہ کتاب و سنت سے مسائل کے استنباط اور اجتہاد کے لیے وقیع نظر اور بصیرت کی ضرورت ہے۔امام محمد کو اس موضوع پر جس عظیم کام کرنے کی ضرورت تھی اس لیے ابھی علم کی مزید تحصیل اور مہارت کی ضرورت تھی۔

اس لیے امام اعظم کے وصال کے بعد امام محمد نے امام ابو یوسف کی طرف رجوع کیا۔امام ابو یوسف جو ہر شناس تھے۔انہوں نے امام محمد کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔علم و فضل اور مرتبہ کی برتری کے باوصف وہ امام محمد کی بہت روایت کرتے تھے۔اسماعیل بن حماد بیان کرتے ہیں کہ امام ابو یوسف علی الصبح

درس شروع کیا کرتے تھے۔

امام محمد اس وقت سماع حدیث کے لیے دوسرے اساتذہ کے پاس جاتے تھے۔جب امام ابو یوسف حدیث کے درس میں پہنچتے تو ان کے زیر درس کافی مسائل گزر چکے ہوتے تھے۔لیکن امام ابو یوسف امام محمد کی خاطر ان تمام مسائل کو پھر دہرایا کرتے تھے۔

امام مالک کی خدمت میں:

امام محمد کو فقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث کی تحصیل کی بھی لگن تھی چنانچہ وہ امام اعظم کے بعد امام مالک کے درس حدیث میں حاضر ہوئے جس طرح امام اعظم فقہ میں بے نظیر تھے اسی طرح امام مالک علم حدیث میں بے مثال تھے اور یہ امام محمد کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو امام اعظم اور امام مالک جیسے دو عظیم اماموں سے درس حدیث میں حاضر ہوئے جس طرح امام اعظم فقہ میں بے نظیر تھے اسی طرح امام مالک علم حدیث میں بے مثال تھے۔

اور یہ امام محمد کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو امام اعظم اور امام مالک جیسے دو عظیم اماموں سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔امام محمد بیان فرماتے ہیں کہ وہ تین سال سے زیادہ عرصہ تک امام مالک کی خدمت میں رہے اور ان سے (۷۰۰) سے زیادہ احادیث کا سماع کیا۔

دیگر اساتذہ:

امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف اور امام مالک کے علاوہ جن اساتذہ سے امام محمد نے علم حدیث حاصل کیا خطیب بغدادی نے ان میں مسعر بن کدام، سفیان ثوری، عمر بن

زر ادر مالک بن مفعول کا ذکر کیا ہے حافظ بن حجر عسقلانی ان اساتذہ کے علاوہ امام اوزاعی اور زمعہ بن صالح کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور امام نوری نے تہذیب الاسما میں ان کے اساتذہ میں ربیع بن صالح اور بکیر بن عامر کا بھی ذکر کیا ہے۔

ان مشاہیر اساتذہ حدیث کے علاوہ امام محمد نے اس وقت کے دیگر مشاہیر حدیث سے بھی استفادہ کیا اور ان سے روایت اور اجازت حاصل کی۔

تلامذہ:

امام محمد کے علم وفضل کی شہرت بہت دور دور پھیل چکی تھی اور اطراف واکناف سے تشنگان علم آپ کی خدمت میں آکر علم کی پیاس بجھاتے تھے۔ خطیب بغدادی نے آپ کے تلامذہ میں محمد بن ادریس شافعی، ابوسلیمان جونسجانی، ہشام بن عبید اللہ رازی، ابوعبداللہ القاسم بن سلام، اسماعیل بن توبہ اور علی بن مسلم کا ذکر کیا ہے، حافظ ابن حجر نے ان کے علاوہ علی ابن مسلم طوسی کا بھی ذکر کیا ہے۔

ذہانت وفطانت

امام محمد بے حد ذہین اور زیرک تھے، اور بڑے بڑے عقدوں کو آسانی سے حل کر دیا کرتے تھے، اور امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فضیل نے ابراہیم سے مسئلہ پوچھا کہ اگر مینڈک سرکہ میں گر جائے تو سرکہ پاک ہے یا ناپاک، ابراہیم نے کہا مجھے معلوم نہیں، یحییٰ بن سلام سے پوچھو ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے پتہ نہیں عثمان بن عیینہ سے پوچھو ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے علم نہیں امام محمد سے پوچھو، امام محمد سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ سرکہ پاک ہے کیونکہ مینڈک اپے

معدن میں مرا ہے پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا؛ اگر مینڈک پانی میں مر جائے تو وہ پانی پاک ہوتا ہے اور اس پانی کو سرکہ میں ڈال دو تو وہ سرکہ بھی پاک رہے گا، اسی طرح مینڈک سرکہ میں گر جائے تو وہ بھی ناپاک نہیں ہو گا امام محمد نے جب اس مسئلہ کی تقریر کی تو سامعین حیران رہ گئے۔

ایک مرتبہ ہارون رشید نے آپ سے کہا کہ میں نے زبیدہ سے کہا کہ میں امام عادل ہوں اور امام عادل جنت میں ہوتا ہے، زبیدہ نے پلٹ کر کہا نہیں تم ظالم اور فاجر ہو اور جنت کے اہل نہیں ہو، آپ نے یہ سن کر ہارون رشید سے فرمایا؛ کبھی گناہ کے وقت یا گناہ کے بعد تم کو خدا کا خوف لاحق ہوا ہارون رشید نے کہا خدا کی قسم مجھے گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا بے حد خوف ہوتا ہے۔

پھر تم دو جنتوں کے وارث ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ

(سورۃ النازعات : آیت ۴٦)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دو جنتیں عطا فرماتا ہے۔

وصال؛ امام محمد نے اٹھاون سال عمر گزاری اور عمر کا بیشتر حصّہ فقہی تحقیقات اور مسائل کے استنباط اور اجتہاد میں گزارا۔ جب دوبارہ عہدہ قضا پر بحال ہوئے اور قاضی القضاۃ مقرر ہوئے تو ان کو ایک مرتبہ ہارون الرشید اپنے ساتھ سفر پر لے گیا وہاں رے کے اندر نبویہ نامی ایک بستی میں آپ کا وصال ہو گیا۔

اسی سفر میں ہارون کے ساتھ نحو کا مشہور امام کسائی بھی تھا اور اتفاق سے اسی دن یا دو دن بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ ہارون الرشید کو ان دونوں ائمہ فن کے

وصال کا بے حد ملال ہوا اور اس نے افسوس سے کہا آج میں نے فقہ اور نحو دونوں کو رے میں دفن کر دیا۔ روایت ہے کہ بعد وصال کسی نے آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کا نزع کے وقت کیا حال تھا۔ آپ نے فرمایا میں اس وقت مکاتب کے مسائل میں سے ایک مسئلہ پر غور کر رہا تھا مجھ کو روح نکلنے کی کچھ خبر نہیں ہوئی۔

خطیب بغدادی نے امام محمد کے تذکرہ کے اخیر محمد یہ نامی ایک بہت بڑے بزرگ جن کا شمار ابدال میں کیا جاتا ہے سے ایک روایت نقل ہے وہ فرماتے ہیں میں نے محمد بن حسن کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا اے ابو عبد اللہ! آپ کا کیا حال ہے؟ کہا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا اگر تمہیں عذاب دینے کا ارادہ ہوتا تو میں تمہیں یہ علم نہ عطا کرتا۔ میں نے پوچھا اور ابو یوسف کا کیا حال ہے؟ مجھ سے بلند درجہ میں ہیں۔ پوچھا اور ابو حنیفہ؟ کہا وہ ہم سے بہت زیادہ بلند درجوں پر فائز ہے۔

(ماخوذ: تذکرۃ المحدثین، ص ۱۲۰، مکتبہ قادریہ لاہور)

رب غافر قدیر ہم سبھوں کو جملہ مشائخ عظام بالخصوص امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے فیضان سے مالا مال فرمائے، اور بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنے اور مسلک حق یعنی مسلک اعلیٰ حضرت پہ قائم و دائم رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

راقم الحروف:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی (بچباری، آباد پور، کٹیہار)

فضیلت سال اخیر، جامعہ علیمیہ جمداشاہی (بستی یوپی)

تعارف (الجامعۃ العلمیہ کنیز فاطمہ للبنات)

الجامعۃ العلمیہ کنیز فاطمہ للبنات ہندوستان کے صوبہ بنگال کے مشہور و معروف ضلع مالدہ کے اندر (ساتمارا، پیر گنج، قطب گنج، پوکھریا) سے متّصل واقع ہے۔ مغربی بنگال کا معتبر دینی، تعلیمی و تربیتی مرکز ہے اس کے مختلف شعبے اپنی الگ الگ عمارتوں میں کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں۔

اس دور فتن میں اسلام دشمن ہر طرح کی، آزادی فکر اور لادینی رجحانات، و باطل نظریات، وعقائد کی تشہیر و مہم، ہندوستان کے مختلف صوبوں بالخصوص بنگال، و دیگر علاقوں میں ہو رہی تھی، امت مسلمہ دوہرے حملہ کا شکار ہو رہی تھی، اسی درمیان ساتمارا (پیر گنج، قطب گنج) کی کچھ زمین پر اس دبستان علم و عمل کا۔۱۰/۱۲/۲۰۲۱ء مطابق ۱۴۴۲ء میں سنگ بنیاد رکھا گیا۔اس وقت سے لیکر آج تک یہ جامعہ تعلیمی، تربیتی اور دینی انقلاب برپا کیے ہوئے ہے اور اس سے تقریبًا ہر سال ۲۰۰ سے زائد تشنگان علوم سیراب ہو رہے ہیں۔

الجامعۃ العلمیہ کنیز فاطمہ للبنات:

ایک دیدہ زیب پر شکوہ، عالیشان عمارت ہے جو طالبات کی رہائیش کے لیے الگ الگ بیڈ سسٹم درس گاہی کمروں اور وسیع و عریض ڈائننگ ہال پر مشتمل ہے کلاس روموں کے مابین ایک وسیع و عریض میدان ہے۔ جہاں پر طالبات خالی اوقات میں اپنے ذہنوں کو کیف و سرور، فرحت وانبساط بخشتی ہیں۔ طالبات علم و فن کی ذہن سازی اور ایک ساتھ نماز کی ادائیگی کے لئے بہت بڑا نماز ہال ہے، جس میں تقریبا

ایک ساتھ دو سو سے زائد طالبات عبادت و ریاضت کر سکتیں ہیں۔ سال رواں میں تقریبا دو سو طالبات دینی و عصری علوم کی ماہرات (۵) معلمات (۳) معلم کے زیر سایہ اپنی دینی و علمی تشنگی بجھانے میں مصروف عمل ہیں۔

طالبات کا داخلہ مع شرائط و ضوابط:

کنیز فاطمہ للبنات کا تعلیمی سال ۹ شوال المکرم سے شروع ہو کر ۱۱ شعبان المعظم تک جاری رہتا ہے۔

جدید داخلوں کا سلسلہ ۹ شوال المکرم سے شروع ہو کر (۱۵) شوال المکرم تک رہتا ہے۔

تمام شعبہ جات میں داخلہ ٹیسٹ کے بعد ہو گا۔

شعبہ پرائمری میں بھی داخلہ لیا جاتا ہے۔

شعبہ درس نظامی میں داخلہ کے لئے سابقہ تعلیمی لیاقت کا تحریری ٹسٹ ہو گا۔

شعبہ درس نظامی کا پہلا ٹسٹ ۱۱ شوال المکرم اور دوسرا ٹسٹ بشرط گنجائش ۱۳ شوال المکرم کو منعقد کیا جاتا ہے۔

(۱۰) شوال المکرم سے باقاعدہ تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

قیام کے لیے الگ الگ بیڈ لگایا گیا ہے جس میں تنہا ایک طالبہ سو سکتی ہے۔

طعام کے لیے صبح چائے بسکیٹ پھر کچھ دیر بعد ناشتہ بعدہ دوپہر اور شام کو مطبخ سے دال چاول روٹی، گوشت، اور سبزی وغیرہ پر مشتمل کھانا دیا جاتا ہے۔

طالبہ کو نماز کی پابندی ضروری ہے خلاف ورزی سخت مضر ہو گی۔

طالبات کا غیر شرعی وضع بنانا قابل مواخذہ جرم ہے خلاف ورزی پر خارجہ کیا جا

سکتا ہے۔

مسلک اہل سنت وجماعت یعنی مسلک اعلی حضرت سے کسی بھی قسم کی مخالفت قطعی برداشت نہیں کی جائیگی۔

جامعہ کی معلمات و ملازمات اور ناظم اعلیٰ صاحب کی گستاخی، حکم عدولی نا قابل معافی جرم ہے

اور جامعہ سے خروج کا سبب ہو گا۔

طالبہ کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ روزانہ اپنی تمام گھنٹیوں میں پابندی کے ساتھ حاضر رہے۔

جامعہ کے احاطہ میں موبائل رکھنے پر پابندی عائد ہے، لہٰذا جس کے پاس پکڑا گیا ضبط کر لیا جائیگا اور کسی بھی صورت میں واپس نہیں کیا جائیگا۔

دار الاقامہ میں محبت واخوت اور اسلامی ماحول بنائے رکھنا ضروری ہے۔

طالبات کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ اسلامی وضع میں رہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اور اتباع سلف صالحین وصالحات کو اپنا شعار بنائیں۔

نظام تعلیم:

کنیز فاطمہ للبنات کا نظام تعلیم بہت ہی ٹھوس اور پر مغز ہے، بایں طور کہ یہاں پر صرف رسمی طور پر طالبات کو پڑھایا ہی نہیں جاتا، بلکہ علم وعمل دونوں پر زور دیا جاتا ہے۔ اور اسلامی تربیت کے نور سے طالبات کی روح وجان کو نکھارا جاتا ہے، اور سنوارا جاتا ہے۔ یہاں طالبات کو زندگی کے مفہوم اور معاشرے میں ایک مقبول و کامیاب لائق ستائش زندگی گزارنے کے گر سکھائے جاتے ہیں۔ جس کے

لئے معلمات جامعہ نے یہاں کی طالبات کے لئے اصول وضوابط کے طور پر کچھ پابندیاں رکھی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

بعد نماز فجر قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام۔

سلام میں تمام طالبات کی شرکت کا اہتمام۔

ہر جمعرات کو اردو مع عصری علوم (ہندی انگلش بنگلہ) میں انجمن کا انعقاد۔

پندرہ دن کے اندر جامعہ کی معلمہ کا (۳۰) منٹ کسی خاص موضوع پر محاضرہ ہوتا ہے، جس کا اعلان ایک ہفتہ پہلے کیا جاتا ہیاور طالبات اپنی پوری تیاری اور کاپی قلم کے ساتھ حاضر ہوتی ہیں کہ فیض یاب ہوسکیں اور اہم اہم باتیں نوٹ کرسکیں۔ محاضرے کے آخر (۱۰) منٹ میں طالبات کو اپنے ذہن میں محاضرے سے متعلق آئے سوالات کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

ہر تین ماہ میں جامعہ کی جانب سے ابتدائی قواعد کی کتابوں کے خاص ابواب متعیّن کرکے ان کا امتحان منعقد کیا جاتا ہے، جس میں پورے جامعہ (بنات) میں اول، دوم، اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والی طالبات کو جامعہ کے ناظم اعلیٰ کی جانب سے انعام پیش کیا جاتا ہے۔

درسگاہ میں بلاتخصیص طالبات سے عبارت خوانی کرانا اور باغور سن کر ضروری اصلاح کرنا۔

درس گاہ میں آموختہ کے سننے کیالتزام کے ساتھ مقدار کتب کی تکمیل کرنا۔

مطالعہ کے بعد ہی طالبہ کا درس گاہ میں حاضر ہونا۔

تمام طالبات کو ایک ساتھ معلمات کی موجودگی میں وقتا فوقتا وضوء کی ٹریننگ

دینا۔

ہفتہ یا (۱۵) دن میں تمام طالبات کو ساری معلمات کی نگرانی میں نماز کی عملی مشق کرانا اور انکے قیام وقعود، رکوع و سجود اور سارے ارکان کی آدائیگی میں وجوب وسنت واستحباب وافضلیت کی رورعایت کرنا۔

عصر بعد روزانہ ایک طالبہ سے طالبات کو روز مرہ کے کچھ ضروری دعاو مسائل کی تلقین کرانا۔

نماز ظہر کے بعد سے عصر تک معلمات کی نگرانی میں اسباق کی تکرار اور مطالعہ کتب میں مصروف رہنا، اسی طرح بعد نماز مغرب تا ۱۱ بجے شب میں اپنے مشاغل درس میں منہمک رہنا۔

ہفتہ میں ایک بار اجتماعی طور پر تمام طالبات کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔ حصول علم کے گر سکھائے جاتے ہیں۔ اور تعلیمی معاملہ میں انکو محنت، جد وجہد، کد وکاوش کرنے پر ابھارنا۔

جامعہ کے تعلیمی نظام پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو اسکی نمایاں خصوصیات واضح ہونگی، بفضلہ تعالی یہاں پر کمیت سے زیادہ کیفیت پر زور دیا جاتا ہے ۔ساری معلمات اپنی فکر اور تربیت گاہوں میں سرگرم عمل رہتی ہیں کہ ہم طالبات کو خوب سے خوب تر کی جانب کیسے بڑھایا جائے۔

امتحانات:

کنیز فاطمہ للبنات میں طالبات کی لیاقت وصلاحیت کو پرکھنے اور اسی کے مطابق آگے کے لئے لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے سال میں دو امتحانات منعقد کیے

جاتے ہیں۔

ششماہی امتحان:

یہ امتحان یکم ربیع الاول تا ۱۵ ربیع الاول کے درمیان منعقد ہوتا ہے، اور یہ امتحان تحریری وتقریری ہوتا ہے اور اسکا نتیجہ ربیع الاول شریف کے آخر میں آجاتا ہے۔

سالانہ امتحان:

یہ امتحان یکم شعبان المعظم تا (۲۰) شعبان المعظم کے درمیان منعقد ہوتا ہے، یہ امتحان بھی تحریری وتقریری ہوتا ہے اور اسکا نتیجہ امتحان ختم ہوتے ہی آجاتا ہے۔

ان امتحانات کے علاوہ جامعہ میں وقتا فوقتا صرف، نحو اور منطق کے ابتدائی قواعد کے امتحانات بھی منعقد کرایا جاتا ہے تاکہ طالبات کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوتا رہے۔

انعامات:

کنیز فاطمہ للبنات میں سالانہ و ششماہی امتحان میں پورے جامعہ میں اول پوزیشن حاصل کرنے والی طالبہ کو ناظم اعلیٰ کی طرف سے انعام پیش کیا جاتا ہے۔

مزید ہر جماعت میں اول دوم سوم پوزیشن حاصل کرنے والے کو بھی انعام سے نوازا جاتا ہے۔

نصاب:

کنیز فاطمہ للبنات میں ہندوستان کا عظیم ادارہ کلیۃ البنات الامجدیہ گھوسی (مئو

یوپی) کے مطابق ابتدائی تا خامسہ تعلیم دی جاتی ہے تاکہ جو طالبات کلیۃ البنات الامجدیہ میں جانے کا متمنّی ہو وہ جاسکے۔

اپیل:

جملہ اراکین اہل خیر حضرات سے گزارش ہے کہ جامعہ علمیہ کنیز فاطمہ للبنات کو تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ (ان اللہ لایضیع اجر من احسن عملا)

اکاؤنٹس

BANK,NAME. STATE BANK OF INDIA

ACCOUNT,NO. 40894829225

IFSC,CODE. SBIN0007088

رابطہ نمبر:

MOBILE,NO. 8972568792

MOBILE,NO. 7866936010

بانی ومہتمم؛ حضرت مولانا قاری محمد بلال الدین قادری رضوی حفظہ اللہ الصمد۔ ساتمارا، پیر گنج قطب، گنج پوکھریا، مالدہ بنگال (مقیم حال چائے ٹولہ، کٹیہار، بہار)

دعاگو:

محمد اشفاق عالم امجدی علیمی

فاضل؛ جامعہ علیمیہ جمدا شاہی بستی

سوشل میڈیا کا صحیح استعمال

آج ہم جس بحرانی دور سے گزر رہے ہیں، یہ نہایت ہی نازک اور پُرفتن دور ہے۔اسلام کے دشمن ہر طرح سے امت مسلمہ کے ایمان وعقیدے کو پامال کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔یقین جانیے، اس وقت سوشل میڈیا کا استعمال ہماری زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہے، جس سے بچنا بہت دشوار ہے۔ اسلام دشمن طاقتوں نے سوشل میڈیا کا سہارا لے کر امت مسلمہ پر حملہ کرنا شروع کر دیا ہے، جو نہایت ہولناک ہے۔

آج دشمنان اسلام مسلمانوں کے عقائد و معمولات کو نشانہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ اسلامی تعلیمات اور اقدار سے مسلمانوں کو دور کرنے کی سازشیں رچ رہے ہیں۔

ایسے پرآشوب حالات میں سخت ضرورت اس امر کی ہے کہ سوشل میڈیا کا صحیح استعمال کیا جائے، اور اس کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو امت مسلمہ کے قلوب و اذہان میں مضبوطی کے ساتھ راسخ کیا جائے۔ معًا یہ یقین دلایا جائے کہ انسان کی حقیقی کامیابی کا راز اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری میں ہی ہے۔

الحمدللہ! اسی عظیم مقصد کے پیش نظر "المسائل بالدلائل گروپ "کا قیام عمل میں آیا۔(تقریبًا پانچ سال سے یہ گروپ عوام وخواص کو فائدہ پہنچا رہا ہے) یہ گروپ مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کی روشنی میں امت مسلمہ کے ایمان و

عقائد کے تحفظ وبقا کے لیے کوشاں ہے۔اس گروپ کے ذریعے مسائل کو شرعی دلائل کی روشنی میں حل کیا جاتا ہے اور عوام کو صحیح رہنمائی فراہم کی جاتی ہے۔

بانئ گروپ:
محمد اشفاق عالم امجدی علیمی
رابطہ نمبر:7866936010

اپیل

"الإنسانُ مُرَکَّبٌ مِنَ الخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ"

محترم قارئینِ عظام!اس رسالے میں اگر کوئی لفظی یا معنوی سہو و خطا یا اسلوب و معانی میں کسی قسم کی کمی رہ گئی ہو تو آپ کی گراں قدر نگاہِ بصیرت اس کی نشان دہی فرماکر ہمیں ممنون احسان فرمائے۔ہم آپ کے مشکور ہوں گے اور آئندہ کی اشاعت میں اس کی تصحیح کردی جائے گی۔

مصنف کی دیگر تالیفات

